ماہنامہ

مجلّہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

میرے دشمن میرا کیا بگاڑیں گے اگر انھوں نے مجھے قید کیا تو مجھے خلوت کی نعمت نصیب ہوگی اگر جلاوطن کردیا تو سیاحت کا موقع مل جائے گا اور اگر قتل کردیا تو شہادت کا عظیم مرتبہ میسّر آئے گا۔

(ابن تیمیہ)

برادر گرامی جناب حافظ محمد اسمٰعیل صاحب

رضوان احمد فلاحی
لندن

السلام علیکم

کیا آپ بھی میری تنقید سے خفا ہو گئے کہ جواب سے محروم رکھا۔ یہ تنقید میں نے آپ لوگوں پر نہیں بلکہ خود اپنے اوپر کی ہے۔ "حیات نو" میرا اپنا پرچہ ہے۔ شاید آپ کو یاد ہو نام میرا ہی تجویز کردہ ہے اور اس کے اولین شمارہ کا اداریہ میرا لکھا ہوا ہے اس وقت وہ سائکلو اسٹائل پر چھپا تھا۔ تنقیدی تحریر کا مقصد معیار بلند کرنا ہے اور بس

معلوم نہیں آپ کی تدریسی مصروفیات آپ کو "حیات نو" کے لئے کتنا فارغ کرتی ہیں، جتنا زیادہ سے زیادہ وقت دے سکیں اچھا ہے وہ ایک تجاویز اور ذہن میں ہیں جب آپ کا خط آئے گا تبھی تحریر کروں گا۔ لکل امر مرہون باوقاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

خدا کا شکر ہے کہ دہلی میں فلاحی برادران بھی بخیر ہیں۔ ہمارا آرگن "حیات نو" ہر ماہ پابندی سے موصول ہوتا رہتا ہے۔ آپکی ادارت میں اس کے مضامین علمی و فکری ہیں اور حالات حاضرہ کے ہنگامہ خیز ماحول میں منارۂ روشنی ہیں، جو قاری کو قدم قدم پر صحیح سمت میں رہنمائی کرتے اور روح کو بالیدگی بخشتے ہیں نیز جامعہ کے لیل و نہار سے مشاغل سے واقفیت بھی ہوتی رہتی ہے۔ اللہ کرے آپ کا زور قلم اور زیادہ تاکہ قارئین اس سے کر سکیں مزید استفادہ۔

السلام

جبرئیل امین فلاحی ثاقب صدیقی
بیت النور ۳۳ ایچ جنگلہ ہاؤس
نئی دہلی ۲۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیات نو
اشرف

بلریا گنج

جلد ۱۱ | محرم الحرام ۱۴۱۶ھ جون ۱۹۹۵ء | شمارہ ۰

بدل اشتراک
سالانہ زرتعاون ۵۰/- روپے
طلبہ کے لئے ۳۰/- روپے
خصوصی زرتعاون ۱۰۰/- روپے
اعزازی زرتعاون ۱۰۰۰/- روپے
غیر ممالک سے زرتعاون ۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ ۵/- روپے

مدیر مسئول
نور محمد فلاحی
مدیر
محمد اسمٰعیل فلاحی
معاون مدیر
عبد البر اثری فلاحی

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے لہٰذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ حیات نو جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ
(۲۷۶۱۲۱)
فون نمبر ۱۱۸۱۵

نقوش حیات نو

		صفحہ
☆ **اداریہ**		
بچوں کا گھر	محمد اسمٰعیل فلاحی	۳
☆ **بحث و نظر**		
اردو زبان منفی رجحانات کے زیر سایہ	منور حسین فلاحی	۵
☆ **فقہ و فتاویٰ**		
شیطانی وسوسہ	علامہ یوسف القرضاوی	۷
☆ **وفیات**		
آہ! مولانا ظہیر الدین اصلاحیؒ	اشہد رفیق ندوی	۲۵
ڈپٹی خادم جامعہ عثمان شاہؒ	محمد اسمٰعیل فلاحی	۲۸
☆ **لکھ رہا ہوں جنوں میں ....**		
بات سے بات نکلے تو کچھ بات بنے	ابوالاحسان اثری	۲۸
☆ **شعر و نغمہ**		
مناجات، غزلیں	فرحت حسین خوشدل، شفیع اللہ آزر	۳۹،۴۰
غزلیں	ابو عمیر ظفر، تحریم عثمانی	۳۹،۴۰
☆ **تعارف و تبصرہ**		۴۱
مجلہ فقہ اسلامی شمارہ معروف بنام ذکر فقیہ الملت مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ	عبدالباری قریشی فلاحی	
☆ **جامعہ کے لیل و نہار**		۴۲
مجلس شوریٰ کا اجلاس، اجلاس عام	محمد اسمٰعیل فلاحی	۴۲
دو قدیم اساتذہ کی جدائی		۴۵
☆ **کون سی وادی میں .....**		
روداد انجمن	محمد عمران فلاحی	۴۷

اداریہ

بچوں کا گھر

محمد اسمٰعیل فلاحی

ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کی دینداری اور غیرت ملی سے کسے انکار ہے۔ وہ کشادہ ذہن اور وسعت فکر و نظر کے حامل انسان تھے۔ ان کے سینہ میں ایک دردمند اور پرسوز دل تھا ملت بیمار و شکست خوردہ کے دوا علاج اور اس کے اندر سے احساس محرومی اور پست حوصلگی ختم کرنے اور بالخصوص نوخیز نسل کی تعمیر نو کی جانب انہوں نے بھرپور توجہ دی۔ بے سہارا، کمزور اور یتیم بچوں کے لئے ان کے اندر بے پناہ درد تھا۔ اُن کا دکھ ان کا دکھ اور انکی تڑپ ان کی تڑپ تھی۔ وہ عملی آدمی تھے۔ انکی کوشش تھی کہ ان کے ذہن و دماغ سے یتیمی کا احساس کھرچ کر نکال دیں تاکہ وہ ملت کیلئے بوجھ بننے کے بجائے حوصلہ مند، اقدامی ذہن رکھنے والے کارآمد اور فعال عضو ثابت ہو سکیں۔ اس کے لئے وہ بظاہر چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی نظر رکھا کرتے۔ انہیں اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ "ہٹو بچو، خبردار ہوشیار" کی صدائیں اور رکابی پیالہ لیکر لائن میں کھڑے رہنے سے، نیز شادی اور غمی کے مواقع پر لوگوں کے گھروں میں جا جا کر کھانے سے ان کی نفسیات پر کیا اثر پڑتا ہے اور انکی اٹھان کیسے متاثر ہوتی ہے۔

دریا گنج، دہلی میں ایک یتیم خانہ تھا جو اپنی کس مپرسی اور بدانتظامی میں تصویر درد و الم تھا یہ صدر جمہوریہ بننے سے بہت پہلے کی بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس جانب توجہ کرنے کی فرصت ملی تو انہوں نے اسے بدل کر رکھ دیا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے جو سفارش کی ہے اس سے ان کے ذہن و فکر کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے سفارش کی کہ

۱۔ "اس ادارے کو یتیم خانہ نہیں کہنا چاہئے، "بچوں کا گھر" اس کے لئے زیادہ موزوں نام ہو"

۲۔ "اس ادارے کے منتظم ہر ممکن کوشش کریں کہ بچوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اس بات کا دھیان رکھیں کہ ان کے دماغ سے یہ احساس جاتا رہے کہ وہ یتیم ہیں"

۴۔ اس مقصد کے لئے یتیموں کے کھانے اور کپڑوں کی طرف خاص توجہ کرنی چاہیے لوگوں کے گھروں پر کھانا کھانے کیلئے بچوں کو نہیں بھیجنا چاہیے۔ ان کو دوسروں کا اترن پہننے کے لئے نہیں دینا چاہیے۔ ان کو جو کپڑے پہننے کیلئے دیئے جائیں وہ ایسے نہ سلوائے جائیں جن سے کسی طرح بھی یہ ظاہر ہو کہ وہ یتیم ہیں۔ انکو چندہ جمع کرنے کیلئے باہر نہ بھیجا جائے کہ چونکہ وہ یتیم ہیں اس لئے چندے کے مستحق ہیں (شہید ہیجو از ضیاء الحسن فاروقی)

ہمارے یتیم خانے اور مدارس جن کے بارے میں ان کی خدمات کے اعتراف کے باوجود یہ احساس ہے کہ وہاں اڑنے سے پہلے ہی ان کے بال و پر کتر دیئے جاتے، قوت پرواز چھین لیا جاتا اور خودی کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ کیا وہ اور ان کے ارباب منتظمین مرحوم ذاکر حسین کی ان سفارشات کے بین السطور کو پڑھنے کی کوشش کریں گے۔

مناجات

فرحت حسین خوشدل

میں تجھ سے کرتا ہوں ہر دم یہی فریاد یا اللہ
تیرے در کا گدا ہوں تیرے در سے کہاں جاؤں

تمنا ہے میری دنیا میں جب تک میں رہوں زندہ
خدایا حال دل کا میرے معلوم ہے تجھ کو
ہجوم کفر میں گھر کر میں حق کی صدا دوں گا
سموم کفر پھیلے اور ضلالت کی ہو ارزانی
رسول پاک کی امت کو بچا ایسے میں [illegible]

کہا ہے ایک قرآں ایک اللہ ایک ہم دونوں کو
وہابی ہیں نہ سنی ہیں نہ شیعہ ہیں نہ تبلیغی
ضرورت آج پھر دنیا کو ہے اس مرد مومن کی
نہیں پوشیدہ تجھ سے امت مرحوم کی حالت
میرا بس اور کس پر ہے تو ہی میرا فریاد رس تو ہے

گناہوں کی غلامی سے تو کر آزاد یا اللہ
بڑی مشکل میں ہوں اب کیجئے امداد یا اللہ
بسی ہو دل کے ہر خانے میں تیری یاد یا اللہ
تیری حمد و ثنا سے دل رہے آباد یا اللہ
ترے فضل و کرم کی گر ملے اسناد یا اللہ
ہدیٰ کی راہ دکھلا کر مجھے کر شاد یا اللہ
بچا اس مرد مومن کا وہ قرن جہاں برباد یا اللہ
دل اسلام میں سے پھر وحدت اجداد یا اللہ
مسلمانوں کو ان فرقوں سے کر آزاد یا اللہ
عمر جیسا ہی ہو جو صاحب فولاد یا اللہ
بچالے اسکو ہو جائے نہ یہ برباد یا اللہ
دل خوشدل کی پیہم تجھ سے ہے فریاد یا اللہ

اردو زبان منفی رجحانات کے زیر سایہ

منور حسین فلاحی

انیسویں صدی عیسوی کا سورج جب طلوع ہوا اس سے قبل کلکتہ میں فارسی مدرسہ کے قیام (۱۷۸۱ء) اور بنارس میں سنسکرت کالج کے قیام (۱۷۹۱ء) کے ذریعہ ہندوستان کی دو بڑی اقوام کے مابین لسانی منافرت کی پہلی اینٹ رکھی جا چکی تھی۔ فورٹ ولیم کالج کی شکل میں اردو کی جو نصابی کتب تیار ہوئیں انہیں آج کے اردو مورخ اردو زبان و ادب پر احسان عظیم تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ کوشش اس ملک کی واحد بڑی زبان کے اعتراف کے علاوہ اور کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی جس کے ذریعہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے انگریز کارپردازوں کو ہندوستانی عوام کی زبان سیکھنے اور ان کے جذبات و احساسات سے واقف کرانے کا ایک عمدہ انتظام کیا تھا۔ اردو زبان کی اس ہمہ گیریت اور مقبولیت کے بالواسطہ اعتراف کے ساتھ یہاں کی قوموں کے درمیان لسانی منافرت کو فروغ دینے کے لئے گل کرسٹ نے للو لال جی سے موجودہ ہندی زبان کی پہلی کتاب (۱۸۰۳ء) میں پریم ساگر کے نام سے لکھوائی جسے بجا طور پر ہندی زبان کا سنگ بنیاد کہا جا سکتا ہے۔ اس عہد کے اردو خادموں کو صاحبان بلند اقبال کی زبان پروری کی یہ ادا کیسے معلوم نہ ہوتی چنانچہ انہوں نے داد و تحسین کے خوب خوب ڈونگرے برسائے اور آج کے عہد زوال میں بھی انکی کاوشیں معیار کا درجہ حاصل کر چکی ہیں۔ انگریزوں کی اردو نوازی کا یہ حقیقہ اس وقت اور بھی مستحکم ہو گیا جب تین دہائیوں کے بعد اردو کو پہلے عدالتی اور پھر دفتری زبان بنا دیا گیا۔ اہل ہند نے ان کے اس اقدام کو اپنے اوپر غیر معمولی احسان سمجھا جبکہ حقیقت یہ تھی کہ اس اقدام کے ذریعہ ابتدائی قدم کے طور پر انہوں نے ہندوستانیوں کو انکی علمی زبان فارسی سے محروم کیا تھا اور پھر چند ہی سالوں کے بعد اردو کی جگہ انگریزی دفتری زبان قرار دی گئی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی اردو نوازی کی اصل حقیقت اس سے عیاں ہے کہ کمپنی کے تعلیمی

فنڈ شکی کی واگزار دیہہ جس تھا ۱۸۳۵ء میں اس کے خرچ کے لئے تعلیمی کمیٹی قائم ہوئی۔ اس کمیٹی نے جو کتب شائع کرائیں ان میں تیرہ ہزار سنسکرت، پانچ ہزار چھ سو عربی، دو ہزار پانچ سو فارسی کتابیں اور دو ہزار سنسکرت آمیز ہندی کی کتابیں تھیں۔ اردو جو اس وقت عوامی زبان تھی اس کی ایک کتاب بھی شائع نہیں کی گئی۔[۵]

انیسویں صدی کے نصف اول میں اہل ہند کی علمی زبان فارسی تھی اور زبان کے معاملے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہ تھا اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ۱۸۳۵ء میں مسٹر ریڈیم نے بہار اور بنگال کے پانچ اضلاع کا دورہ کر کے یہ بتایا تھا کہ اگر ۹۶۔۴ ہندو فارسی تعلیم پاتے ہیں تو مسلمان طلبہ کی تعداد ۸۵ء۱۱ ہے۔[۶]

اسی طرح اس امر میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس صدی میں اردو ہی عوامی رابطہ اور غیر معمولی مقبولیت کی حامل زبان تھی۔ فرانسیسی انسٹی ٹیوٹ کے ایک رکن اور سینیٹ کے ممبر موسیو پاں نے اپنی ایک کتاب میں انیسویں صدی کے ہندوستان کے بارے میں لکھا ہے "برطانوی ہند کی مردم شماری سرکاری کاغذات کے مطابق اس وقت ۲۸ کروڑ ۷۲ لاکھ ہے آپ کو معلوم رہنا چاہیئے کہ ان میں بیس کروڑ نفوس کے درمیان جو چیز مشترکہ رشتہ کا کام دیتی ہے وہ اردو زبان ہے یہ زبان پورے یورپ کے برابر رقبہ کی سرزمین میں بولی جاتی ہے۔"[۷]

فورٹ ولیم کالج میں نئی زبان بنانے کا جو تجربہ للو لال جی کے ذریعہ کیا گیا اس کی تجدید بھارتیندو ہریش چندر کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کا زمانہ اردو مخالفت کا پہلا زمانہ ہے جب اردو زبان اور اس کے رسم خط کی مخالفت شروع ہوئی۔ یورپین مصنفین و مورخین کی متعصبانہ تحریروں اور مشنریز کی اشتعال انگیز تقریروں نے ہندوستانی علما اور دانشوروں کے اتحاد و یگانگت کو پارہ پارہ کر دیا۔ گرچہ اس طرح کی کوششوں سے ہندوؤں کا ایک بڑا طبقہ کم ہی متاثر ہوا مگر جن لوگوں نے مخالفت کی راہ اختیار کی انہوں نے اردو کے بارے میں انتہائی زہریلے اور منافرانہ خیالات کا اظہار کیا۔ ہندی اردو کے موضوع پر ٹریکٹ لکھ کر مخالفت کے دائرہ کو ادیبوں اور دانشوروں کی حدوں سے نکال کر عوامی سطح تک وسیع کر دیا گیا۔ ان مخالفین میں راجہ شیو پرشاد، راجہ لچھمن داس، چندر بلی پانڈے، مشر جی

گلاب چھتری اور شیو برت لال ورمن کے نام بہت نمایاں ہیں۔ اردو کے خلاف اس منافرت کے فروغ میں آریہ سماجی تحریک کا رول بہت ہی ممتاز ہے۔

انگریزوں نے اپنی مخصوص لسانی پالیسی کے تحت ۱۸۵۷ء کے بعد ملک کی سب سے بڑی اردو تعلیم گاہ قدیم دلی کالج کا خاتمہ کر دیا۔ متعدد اردو مراکز تباہ کر دیے گئے اور دوسری طرف اردو کی دفتری اور عدالتی حیثیت کے خلاف ہندوؤں کی تحریروں اور تحریکات کو بہانہ بنا کر انگریزی عدالتی زبان بنا دی گئی۔ ۱۸۷۲ء میں بہار کے اسکولوں سے میں اردو کی تعلیم ممنوع قرار دے دی گئی۔ اردو کے خلاف انگریزوں اور ہندوؤں کی ان کوششوں کو دیکھتے ہوئے سرسید نے ۱۸۶۷ء میں الٰہ آباد کے مقام پر مرکزی مجلس تحفظ اردو قائم کی۔ ۱۸۸۱ء میں ہندی کو بہار کی عدالتی زبان بنا دیا گیا اور بالآخر ۱۹۰۰ء میں ہندی کو بھی اردو کے برابر دفتری و عدالتی درجہ دینے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ نواب محسن الملک نے مجلس تحفظ اردو کے پلیٹ فارم سے اس فیصلہ کی زبردست مخالفت کی اور یہ تحریک بہت جلد پورے صوبہ میں مقبول ہو گئی۔ وقت کے گورنر نے یہ دھمکی دی کہ اگر کالج کے سکریٹری نے اپنی یہ تحریک جاری رکھی تو کالج کی امداد بند کر دی جائے گی چنانچہ کالج کی بقا کے لئے محسن الملک تحفظ اردو کی مہم سے دست بردار ہو گئے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں تقسیم بنگال (۱۹۰۵ء) اور تنسیخ تقسیم (۱۹۱۱ء) کے حکومتی فیصلوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج کو وسیع تر کر دیا۔ حکومت کے یہ اقدامات یہاں کے قومی اتحاد کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئے۔ مسلم لیگ (قیام ۱۹۰۶ء) دو قومی نظریے کی علم بردار اور تقسیم ملک کی ذمہ دار قرار دی جاتی ہے جبکہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں ہی جماعتوں کے بنیادی اغراض و مقاصد میں حکومت وقت سے جذبہ وفاداری کو مستحکم کرنا شامل تھا۔ جس طرح برطانوی حکومت کے طرز عمل نے کانگریس کو آزادیٔ وطن کی راہ دکھائی اسی طرح کانگریس کے رویہ نے مسلم لیگ کو آزادیٔ ملت کا نصب العین دیا۔ انگریز مورخوں نے سرسید کو علیحدگی پسند تحریک کا بانی قرار دے کر بڑی عیاری سے اپنے گناہوں کی پردہ پوشی کی ہے جبکہ حقیقت میں، سرسید انگریزوں کے

تابعدار و وفادار بن کر ہندوستانی قوم کی فلاح و بہبود کے خواہش مند تھے۔ ہندوستانی اقوام کو ایک وطن کی آنکھیں سمجھنے والا اس مرحلہ میں صرف ایک قوم کی ترقی اور فروغ کا داعی ہو گیا جب انگریزوں کی شہ پر دوسری قوم عناد و تعصب کی آخری حد کو پہنچ گئی اور اس اظہار عداوت میں لسانی عداوت کا عنصر سب سے نمایاں تھا۔

آزادی سے قبل اردو دشمنی کی سب سے زبردست مہم اردو ہندی تنازعہ کے پردے میں چلائی گئی۔

اردو میں لکھنے والے اہل قلم ادیب و دانشور اردو ہی کے ذریعہ اس کے خلاف نفرت انگیزی کے جذبہ کو مستحکم کر رہے تھے اس روایت کا آغاز گو انیسویں صدی میں راجہ شیو پرشاد جیسے افراد کے ہاتھوں ہو چکا تھا تاہم اس صدی میں اس کی لے کافی تیز ہو گئی اس سلسلہ کے نمایاں نام شیو برت لال ورمن اور شیام موہن لال جگر کے ہیں بعض محققوں کے بقول اول الذکر کو اردو کے سب سے کثیر التصانیف فرد ہونے کا امتیاز بھی حاصل ہے۔ اردو دشمنی کا دوسرا روپ اس شکل میں سامنے آیا کہ اس کے رسم خط سے منافرت کی بو آنے لگی اور مشورہ دیا گیا کہ اردو کا رسم خط بدل دیا جائے تو اس زبان سے کوئی نفرت نہیں ہوگی۔ متعدد رسوم خط کو اپنانے کی تجویزیں بھی پیش کی گئیں جن میں سب سے نمایاں ناگری رسم خط تھا۔ اس تجویز کے حق میں سینکڑوں تحریریں منظر عام پر آئیں اسی طرح اس تجویز کی روش بھی بے شمار تحریریں سامنے آئیں اس دور کا کوئی قابل ذکر رسالہ شاید ہی ایسا ہو جس میں اس موضوع پر بحثیں موجود نہ ہوں۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ زبانیں اپنے مخصوص رسم خط ہی کی بدولت زندہ رہتی ہیں۔ اردو دشمنی ہی کا تیسرا روپ یہ بھی تھا کہ اردو رسم خط میں ایسے اخبارات و رسائل شائع ہونے شروع ہوئے جن کی ساری لفظیات ہندی، ناگری یا سنسکرت سے ماخوذ تھیں۔ ایک طرف شکل و صورت پر حملہ تو دوسری طرف مواد و جوہر کی تبدیلی انیسویں صدی کے اواخر ہی میں اردو دشمنی کا یہ حال ہو چکا تھا کہ اردو والوں کو اس کے تحفظ و بقا کی فکر دامن گیر ہو گئی تھی بیسویں صدی کے آغاز میں دیگر اقدامات کے ساتھ انجمن ترقی اردو کا قیام عمل

میں آیا جس نے اردو کی زندگی اور فروغ کے لیے متعدد اقدامات کیے علمی کتابوں کے ترجمے کرائے، اہم موضوعات پر کتابیں تیار کروائیں علمی و ادبی رسائل جاری کیے اردو کانفرنسوں کے ذریعہ مختلف علاقوں میں اردو کی صورت حال کے جائزہ اور اس کے فروغ کے اقدامات روبعمل آئے ان اقدامات میں اردو تعلیم و تدریس کے مناسب انتظام کا مطالبہ، اردو کو لازمی مضمون کی حیثیت دینے اور اسے ذریعہ تعلیم بنانے جیسے مطالبے شامل تھے اس انجمن کے نظم و انصرام میں متعدد قد آور شخصیات شامل تھیں جن میں مولوی عبدالحق کا نام سب سے نمایاں ہے۔ جامعہ عثمانیہ کی شکل میں ایک ادارہ اردو کو علمی اعتبار سے سرمایہ دار اور لسانی اعتبار سے باوقار بنانے کے لیے سرگرم عمل ہو چکا تھا اس کے باوجود انجمن ترقی اردو ایک اردو یونیورسٹی کے خد و خال طے کر رہی تھی اور اس وقت اس یونیورسٹی کے لیے جو مسائل غور طلب تھے وہ آج پچاس سال کے بعد بھی غور طلب ہی ہیں۔

اردو کے خلاف فرقہ پرستوں کے بیانات سے قطع نظر گاندھی جی جیسے قوم پرست اور سیکولر لیڈر بھی زبان کے معاملہ میں اکثر متضاد بیان دیتے رہتے تھے اردو کے بارے میں گاندھی جی کا موقف کیا تھا یہ ابھی تک ہمارے بہت سے دانشوروں پر واضح نہیں ہے۔ اسی لیے ابھی تک انہیں لسانی مساوات کا علم بردار کہا جاتا ہے۔ ان کے لسانی موقف سمجھنے کے لیے ۱۹۳۶ء کا یہ واقعہ کافی ہے کہ ناگپور میں ہندی ساہتیہ سمیلن کے زیر اہتمام ہندوستان کی متعدد زبانوں کا ادبی اجتماع ہوا تھا اس میں انہوں نے پہلی مرتبہ ہندوستانی کی بجائے "ہندی ہندوستانی" کی اصطلاح استعمال کی مولوی عبدالحق کے بقول جب ان سے کہا گیا کہ نیشنل کانگریس کی قرارداد میں صرف ہندوستانی کو ملک کی زبان تجویز کیا گیا ہے جو ناگری یا فارسی کسی خط میں بھی تحریر کی جائے تو ان کا جواب تھا کہ وہ ریزولیوشن میں نے ہی بنایا تھا اور جب کہا گیا کہ اس وقت ہندوستانی کے معنی کسی نے یہ نہیں سمجھے تھے تو جواب دیا کہ اب میں نے بتا دیے اب سمجھیے۔ اس طرح آزاد ہندوستان کی سرکاری زبان کے تعین میں گاندھی جی کا رول یقینی طور پر غیر مبہم اور غیر مشتبہ ہو جاتا ہے۔

گزشتہ ڈیڑھ سو سال کے لسانی منظر نامہ کا اختصار یہ ہے کہ ۱۸۰۳ء میں ہندی کی پہلی کتاب نے جنم لیا ایک سو سال کے اندر انگریزوں کی سرپرستی میں وہ اردو کے برابر آگئی اور اگلے ۵۰ سالوں میں اردو کو اس نے پیچھے چھوڑ دیا جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ اس ڈیڑھ سو سالہ مسابقت کے باوجود آزادی کے وقت ہندی کا لسانی و علمی سرمایہ ناقابل لحاظ تھا۔ محض ایک ووٹ کی معدودی اکثریت نے اسے یہاں کی دفتری و قومی زبان بنا دیا اور اردو جو ہر اعتبار سے ممتاز، ہمہ گیر سرمایہ دار اور قابل ترجیح تھی تعصب و معاندت کا شکار ہو گئی تاکہ اسے کیا تھہ زمین سے اس کا رشتہ کاٹ کر اس کی موت پر مہر تصدیق ثبت کر دی گئی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جب جب اس زبان پر قاتلانہ حملے ہوئے اس کے شیدائیوں نے اس کی سخت جانی اور ہر دل عزیزی کے حوالے دے کر اس کی موت سے انکار کیا اس کے مستقبل سے مایوسی کی تردید کی اور اس کے فروغ بقا اور زندگی کی پیش گوئیاں لیں۔ صحیح صورت حال کیا ہے، واقف کار اس سے بے خبر نہیں ہیں۔

آزادی کی صبح جب طلوع ہوئی تو ظلم و ستم کے جو مہیب بادل مسلمانوں کے جسم و جان، ان کی عزت و آبرو، جائداد و املاک اور ان سے وابستہ دینی، تہذیبی اور لسانی اداروں پر برسے انکے بیان کیلئے وقت کے ساتھ پتھر کا دل بھی چاہیئے۔ اردو زبان اگرچہ خاص مسلمانوں کی زبان نہ تھی تاہم انگریزوں کی لسانی پالیسی کے نتیجہ میں یہ ایک مخصوص طبقہ کی زبان بنا دی گئی۔ تقسیم ملک کے وقت بھی متعدد قد آور ہندو ادیب و شاعر اس زبان کی خدمت کر رہے تھے اس کے باوجود اردو اداروں پر جو گزری کا نمونہ کے چند اہم عصر شہادتیں درج ذیل ہیں۔

نصیر الدین ہاشمی لکھتے ہیں۔

دہلی کے اردو کتب خانے اور پبلشروں کے ذخیرے جلا دیئے گئے یا تلف ہو چکے ہیں۔ انجمن ترقی اردو کا مطبوعہ ذخیرہ، جامعہ ملیہ، مکتبہ برہان کے اردو ذخائر نذر آتش ہو چکے ہیں۔ ساقی بک ڈپو، حالی پبلشنگ ہاؤس تاج سعدم ہیں اس کے علاوہ بیسیوں نامعلوم کتب اردو کی دکانیں جل کر خاک سیاہ ہو چکی ہیں۔[1]

لازمی قرار دے دیا۔ اردو اسکولوں کی تعداد کم کرنے کی منظم اسکیمیں شروع ہو گئیں جن کا عروج یہ تھا کہ اکتوبر ۱۹۷۳ء میں گورکھپور کے ۵۰ اردو اسکول اگلے ہی سال یکایک بند کر دیئے گئے۔[1] اردو کتابوں کو ہندی کا نام دیا گیا مثال کے طور پر مہاراشٹرا ٹیکسٹ بک بورڈ کی منظور شدہ میں شامل نے پہلی کلاس سے ساتویں کلاس تک کے لئے جو کتاب منظور کی اس کا نام "بال بھارتی" تھا اور آٹھویں کلاس کے لئے منظور شدہ کتاب کا نام "کمار بھارتی" تھا۔[2]

دہلی میں اردو میڈیم کے پانچ ہائر سیکنڈری اسکول تھے پر زور مطالبات کے باوجود یہاں نویں، دسویں اور گیارہویں کلاسوں کے لئے نصابی کتابیں فراہم نہ کی گئیں یہ کتابیں کشمیر سے منگائی گئیں۔

اردو اسکولوں میں اردو اساتذہ کی جگہوں کو ایسے اساتذہ سے پر کیا گیا جو اردو سے بالکل ہی نابلد تھے اور ان سے ہندی یا سنسکرت یا اور دوسرے مضامین کی تدریس کا کام لیا گیا۔ اسی طرح کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اردو شعبوں میں ضرورت سے کم ہی اردو اساتذہ فراہم کئے گئے ضرورت اور مطالبات کے باوجود منظور شدہ جگہوں کو بھی پر کرنے سے احتراز کیا گیا اس کی تازہ ترین مثال گورکھپور یونیورسٹی کی ہے جہاں اردو کا عملہ گھٹتے گھٹتے دو تک محدود ہو گیا ہے اور شاید منصوبہ یہ ہے کہ اس دو کے بعد اس شعبہ پر مہر لگا دی جائے۔

ایک عرصہ تک متعدد یونیورسٹیوں میں تقاضوں اور مطالبات کے باوجود ایم۔اے اردو کی کلاسز شروع نہ ہو سکیں۔ بعض کالجوں کے اردو طلبہ کے ساتھ یہ مذاق کیا گیا کہ انہیں تعلیم کی سہولت تو اردو میں فراہم کی گئی لیکن جب امتحان کا وقت آیا تو انہیں اردو میں امتحان دینے کی اجازت نہیں ملی۔

اردو تعلیم گاہوں کے بند کرنے کے ساتھ ساتھ اردو یا مسلمانوں کی تعلیم کی نگرانی کیلئے قائم کردہ محکمے بھی ختم کر دیئے گئے۔ اردو کتابوں کی کثرت اشاعت کے باوجود اردو پڑھنے والوں کا حلقہ روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے وجہ صاف ظاہر ہے اردو تعلیم کے مواقع ختم کرکے اس کا رشتہ ملازمتوں سے بھی ختم کر دیا گیا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ اس زبان کی ڈگری معاشی دروازہ تک نہیں جاتی تو انہوں نے اس پر چلنا ہی چھوڑ دیا۔

انجمن ترقی اردو ہند کی بربادی کیساتھ فطری طور پر اس کے رسائل بھی بند ہوگئے۔ انجمن کی عمارت پر انشورنس کمپنی کا قبضہ ہوگیا اور اسکا دفتر حکومت نے سربمہر کر دیا۔ تقریباً تین سال کے بعد جب انجمن کا آرگن علی گڑھ سے اردو ادب کے نام سے شروع ہوا تو اس کے ایڈیٹر نے انجمن کی تباہی کا ذکر ان لفظوں میں کیا تھا۔

تقسیم ہند کے بعد جو ہولناک واقعات پیش آئے ان سے انجمن ترقی اردو کا دفتر بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ مولانا آزاد نے اخیر میں کتب خانہ کی حفاظت کے لئے فوری انتظام کرایا اس سے پہلے سکریٹری کا سامان اور دفتر اور کتب خانہ کا ایک حصہ ضائع ہو چکا تھا۔[۱۱]

ملک کی تقسیم کے بعد پیش آنے والے ان واقعات سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ ملک کے دیگر مقامات پر اردو اور اردو والوں کو کس صورت حال کا سامنا ہوا ہوگا۔ آزاد ہندوستان میں اردو زبان کی جو حیثیت بن گئی تھی اس کا ذکر ایک خادم اردو کی زبانی سنئے۔

۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستانی ماحول اردو کے لئے اتنا زہر آلود اور منافرت انگیز تھا کہ اس کا نام بھی سننا گناہ سمجھا جاتا تھا...... اس کی طرفداری کرنے والے فرقہ پرست اور پاکستانی ایجنٹ سمجھے جاتے تھے ملک کے کسی گوشہ میں بھی اردو کو پناہ نہ تھی۔ اسکولوں، کالجوں، عدالتوں اور دفتروں سے دھکا دے نکال دیا گیا۔ اردو کے ادارے، تعلیم گاہیں، اشاعتی مراکز بند کر دئے گئے...... ۱۹۵۱ء کی مردم شماری میں اردو والوں کی زبان کو اردو دشمنی کے جذبہ میں ہندی لکھ دیا گیا۔ لاکھوں دستخطوں سے مزین اردو پر کرم کرنے کی درخواستیں حکومت نے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں۔[۱۲]

اردو زبان کے ساتھ ناانصافی اور معاندانہ رویہ کے اس اجمالی بیان کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

آزادی سے قبل سرکاری اسکولوں میں اردو اور ہندی دونوں ہی ذریعہ تعلیم و ذریعہ امتحان تھے۔ سن ۱۹۴۶ء کے امتحان میں اڑتالیس فی صد طلبہ کا ذریعہ امتحان اردو زبان تھا۔

آزادی کے بعد یوپی، بہار، مدھیہ پردیش اور راجستھان جیسے صوبوں میں اردو کی یہ حیثیت ختم کر دی گئی۔ حکومت پنجاب نے اردو کو دفتروں اور تعلیم گاہوں سے ختم کرنے کیلئے متعدد اقدامات کئے۔ مئی ۱۹۴۹ء میں حکومت یوپی نے ایک حکم نامہ کے ذریعہ ہندی میں تعلیم کو

اردو صحافت کا حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اردو اخبارات کو ہندی اور انگریزی اخبارات کی طرح سرکاری مراعات حاصل نہیں ہیں اور نہ ہی سرکاری اشتہارات ان کے برابر جاری کئے جاتے ہیں۔ کانگریس کے ترجمان ایک اخبار کا یہ تبصرہ ملاحظہ ہو۔

اردو زبان کو فروغ دینے اور اس کو عوامی رابطہ کی زبان بنانے کی آئینی ضمانت کے باوجود افسر شاہی اس زبان کو نقصان پہنچانے کیلئے اپنی کوششیں جاری رکھے ہوئے ہے کبھی آل انڈیا ریڈیو کی اردو سروس بند کرنے کی سازش کی جاتی ہے تو کبھی خبروں کے بعد اردو تبصرہ نگاروں پر پابندی لگائی جاتی ہے۔ اسی ذہنیت کا مظاہرہ مہانگر ٹیلیفون کے اعلیٰ افسر بھی کر رہے ہیں...... وہ آئے روز اشتہارات انگریزی ہندی اور تامل کو جاری کرتے ہیں.... جن میں صارفین کو ضروری اطلاعات فراہم کی جاتی ہیں لیکن محکمہ نے یہ جواز دے کر کہ اردو پڑھنے والے چونکہ ٹیلیفون استعمال نہیں کرتے اس لئے اردو اخبارات میں اشتہارات شائع کرنا بے مقصد ہے۔[۱۳]

ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ اردو خبروں کے نشریے میں بھی جانبدارانہ رویہ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ایسے نیوز ریڈرس کی تقرری کی جاتی ہے جن کی آوازیں ناگوار ثابت ہوتی ہیں گویا عام طرز انتخاب کے برعکس یہاں نااہل ترین شخص کی نامزدگی شاید اس لئے عمل میں آتی ہے تاکہ جلد ہی لوگ اس نشریے کے بند کر دینے کا مطالبہ کر بیٹھیں اور اس خاتمہ کا الزام اپنے سر نہ آئے۔ ابھی حال ہی میں ٹی وی کے لئے نیوز ریڈرس کے تعین میں جو دھاندلیاں روا رکھی گئیں ان سے ہر اخبار بین شخص واقف ہے۔

اردو لائبریریوں کو کتابوں کے لئے مناسب گرانٹ نہیں ملتی۔ انہیں اردو کی بجائے ہندی کتب سپلائی کی جاتی ہیں۔ اور انہیں ضرورت کے مطابق عملہ کی فراہمی بھی نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اردو ذخیرے تباہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور کتابیں اپنی ناقدری کا ماتم کرتی نظر آتی ہیں۔ اس کی سب سے نمایاں مثال حیدرآباد کے اردو دارالمطالعے ہیں جہاں کے دارالترجمہ نے اردو کو علمی اعتبار سے وقعت و وقار بخشنے میں ایک کارنامہ انجام دیا ہے۔ وہیں اسٹیٹ سنٹرل لائبریری، ادارۂ ادبیات اردو، جیسے اردو مراکز کس مپرسی کی حالت

میں مائل بہ زوال ہیں۔

ملک کی مختلف ریاستوں میں قائم مسلمانوں کی تعلیمی و لسانی انجمنوں نے حکومت سے اردو کے فروغ و تحفظ کے لئے متعدد تجاویز و مشورے بشکل مطالبات پیش کئے لیکن متعدد یقین دہانیوں اور خوشنما وعدوں کے باوجود کوئی قابل ذکر قدم اس سمت میں نہیں اٹھایا جا سکا۔

۱۹۵۴ء میں انجمن ترقی اردو نے حکومت کو [illegible] لاکھ دستخطوں سے مزین ایک میمورنڈم پیش کرکے مطالبہ کیا کہ اردو کو اتر پردیش کی زبان تسلیم کیا جائے۔ یہی مطالبہ انجمن کی طرف سے ۱۹۵۸ء میں بہار، یوپی، دہلی اور پنجاب کے لئے بھی کیا گیا۔ چند ممبران پارلیمنٹ نے اس فہرست میں مدھیہ پردیش کو بھی شامل کرنے کی تجویز دی اور انہوں نے گجرات، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، کرناٹک، آسام اور مغربی بنگال میں اردو کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں پر بھی متوجہ کیا۔ جنوری [illegible] میں اردو اساتذہ کی ایک کل ہند کانفرنس لکھنؤ میں منعقد ہوئی جس نے درج ذیل مطالبات متفقہ طور پر مرکزی حکومت کے سامنے رکھے۔

(۱) اردو کو یوپی، دہلی، بہار، مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش میں ایک سرکاری زبان کی حیثیت حاصل ہو۔

(۲) شمالی اور جنوبی ہندوستان میں اردو یونیورسٹیاں قائم کی جائیں۔

(۳) اردو اخبارات و رسائل کو بہتر سہولتیں و مراعات حاصل ہوں۔

غرض ان مطالبات کی ایک طویل فہرست ہے جو مختلف اوقات میں متعدد مقامات سے اور مختلف سطحوں سے کئے گئے ہیں۔ لیکن ان کا حاصل چند کلمات تحسین اور وعدہ ہائے فردا یا نصیحت آمیز دھمکیوں کے سوا کچھ نہ نکلا۔

اردو زبان کے حق میں سیاسی لیڈروں کے توصیفی بیانات اتنے پرکشش اور جاذب نظر ہیں کہ اگر انہیں یکجا کر لیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اردو نہایت شیریں زبان ہے، اردو جنگ آزادی کی زبان ہے، اردو ہندوستان کی مختلف اقوام کو متحد کرنے کی علامت ہے۔ اردو اہنسا، قومی یکجہتی اور سیکولر آدرشوں کی پہچان ہے اور اس قصیدہ خوانی کا عروج یہ ہے کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے ایک وزیر نے اسے خصوصی رابطہ

کی زبان، ملک کو متحد کرنے والی، ملک کے ہر خطہ میں بولی جانے والی ہندوستان کے مخلوط کلچر کی علامت قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ توصیفی تقریبات انتخابی مرحلے کی دین ہیں یا بعض اداروں کی کرسی صدارت کی مجبوری۔

جہاں تک وعدوں اور یقین دہانیوں کا معاملہ ہے اس کی فہرست بھی اسی قدر طویل ہے ان میں سے چند آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اپنی مختلف میٹنگوں میں اردو کے متعلق متعدد قرار دادیں منظور کیں۔

[illegible] میں وزراء تعلیم کی کانفرنس میں لسانی اقلیتوں کے جائز حقوق کو تسلیم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ [illegible] میں وزارت داخلہ نے دہلی انتظامیہ کو اردو کے فروغ کے لئے متعدد ہدایتیں دیں لیکن ان پر عمل نہیں ہوا۔ [illegible] میں کملاپتی ترپاٹھی وزیر اعلیٰ یوپی نے اعلان کیا تھا کہ ہر اس جگہ اردو تعلیم کا انتظام کیا جائے گا جہاں ایک بھی طالب علم اردو پڑھنے کا خواہش مند ہوگا۔

[illegible] میں اندرا گاندھی نے یہ وعدہ کیا تھا کہ آٹھ ریاستوں میں اردو کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے گا۔ ان پر عمل درآمد کے سلسلہ میں صرف دو دستاویزی بیانات دستیاب ہیں۔

مرحوم فخرالدین علی احمد نے ۲ جولائی [illegible] کو ایک رپورٹ میں یہ اعتراف کیا کہ مسلمانوں کو کانگریس سے بے زاری کی ایک بنیادی وجہ حکومت کا اردو کے ساتھ یوپی، بہار اور دہلی میں مسلسل غیر منصفانہ سلوک ہے۔ وہ وعدوں کے باوجود اب تک اسے علاقائی زبان تسلیم کرنے میں ناکام رہی ہے۔

۱۱ دسمبر [illegible] میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اپنی میٹنگ منعقدہ دہلی میں اس بات کا اعتراف کیا کہ اردو کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً بہت سے واضح اور متعین فیصلے لئے گئے مگر ان کے نفاذ کے سلسلہ میں مناسب کوششیں نہیں ہوئیں۔

اس زبان کے تئیں حکومت کے اس طرز عمل کو [illegible] کی منشا کی تکمیل سے تعبیر کیا جائے یا اکثریتی فرقہ کی خواہش کی تعبیر کہا جائے، اس کا فیصلہ تاریخ و محققین کے سپرد ہے۔ ان مطالبات و یقین دہانیوں کے پہلو بہ پہلو مخالفت کی جو لہر چل رہی تھی اس کے بھی ایک دو جھٹکے آپ سہتے جائیے۔

مسٹر اٹل بہاری واجپائی نے پارلیمنٹ میں یہ بیان دیا کہ "سنگھ پریوار کا یہ موقف ہے کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے سے ملکی سالمیت کے دشمنوں کی ہمت افزائی ہوگی۔ اردو کے فروغ کے لئے چلنے والی تحریکوں کی مالی امداد پاکستان سے ہوتی ہے" [۲۳]

ہندی ساہتیہ سمیلن کی میٹنگ منعقدہ لکھنؤ (اگست ۱۹۸۹ء) میں تمام ہی مقررین نے حکومت یوپی کو یہ انتباہ دیا کہ اگر اس نے اردو معاملہ کی تقرری سے متعلق اپنے فیصلہ پر عمل کیا تو وہ احتجاجی تحریک چلائیں گے [۲۴]

گجرال کمیٹی کی سفارشات کی بنیاد پر جب راجستھان کی حکومت نے ایم اے اردو کی کلاس شروع کرنے کا فیصلہ کیا تو اس فیصلہ کے خلاف ڈین فیکلٹی آف آرٹس نے استعفیٰ کی دھمکی دی [۲۵]

ونجل کالج اجمیر نے انگریزی اور ہندی کی طرح اردو میں بھی بی اے آنرز کورس شروع کرنے کا فیصلہ کیا تو ۸۰ طالب علموں کی درخواستوں کے باوجود یونیورسٹی رجسٹرار نے پرنسپل کی سفارش کو روبہ عمل نہیں آنے دیا [۲۶]

انجمن ترقی اردو بہار کی مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں ۱۹۸۱ء میں جگن ناتھ مشرا حکومت نے اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا اعلان کیا یہ اعلان صرف دس فیصد اردو آبادی والے اضلاع کی حد تک محدود تھا۔ صدر انجمن نے جب بعد کے وزیر اعلیٰ سے مشرا سرکار کے اس فیصلہ پر عملدرآمد کا مطالبہ کیا تو وزیر اعلیٰ نے انہیں یہ دھمکی دی کہ وہ آگ سے نہ کھیلیں [۲۷]

بہار کے طرز پر یوپی میں بھی مسٹر نرائن دت تیواری نے اردو کو سرکاری زبان بنانے کا اعلان کر کے مبارکبادیاں وصول کیں ان کے بعد وہ حکومت برسر اقتدار آئی جو اپنے قول وعمل میں مسلمانوں کی حد تک منافقت نہیں برتتی تھی اس نے اردو اکیڈمی کو تحلیل کر ڈالا [۲۸] اداروں کو ملنے والی گرانٹ روک دی پھر چند سالوں کے بعد مسٹر ملائم سنگھ دوبارہ برسر اقتدار آئے تو انہوں نے بھی چند عمدہ اعلانات کے ساتھ یہ بیش قیمت تجویز پیش کر دی کہ اگر اردو کا رسم الخط ناگری کر دیا جائے تو اس کی ترقی کے امکانات لامحدود ہو جائیں گے۔

لسانی اصلاحات کے لئے گجرال کمیٹی کی رپورٹ ۱۸ سالوں سے عملی روپ دھارنے کی منتظر ہے شاید یہ سفارشات اس قدر وزنی اور باوقار ہیں کہ حکومتوں کو ان کا تحمل دشوار نظر آتا ہے۔

مرکزی سطح سے تقریباً دو سال قبل مسٹر ارجن سنگھ وزیر برائے فروغ انسانی وسائل نے یہ اعلان کیا تھا کہ حکومت جلد ہی ایک مرکزی اردو یونیورسٹی قائم کرنے جارہی ہے جس کے خدوخال، جائے قیام اور دیگر تفصیلات طے کرنے کیلئے ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس نے اپنی متعدد میٹنگوں کے ذریعہ اس کی کچھ تفصیلات حکومت کے حوالے کر دی ہیں۔ اس کے بعد حکومت کی خاموشی اسی طرح طویل اور پراسرار ہوگئی ہے جس طرح ہر ایسے بادل ناخواستہ اور پر فریب اعلانات کے بعد ہوا کرتی ہے۔ معاملہ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ آج سے ٹھیک پچاس سال قبل انجمن ترقی اردو نے ایک اردو یونیورسٹی کے مطالبے کے ساتھ اس کی مکمل تفصیلات تیار کر لی تھیں اور یہ بات اردو والوں کے علاوہ ملک کے ارباب حل وعقد کو بھی معلوم تھی۔ اب پچاس سالوں کے بعد پھر وہی تفصیلات از سر نو طے کرنے کا مرحلہ درپیش ہے۔

اردو تعلیم کو ختم کرنے یا اسے محدود کرنے کے جو اقدامات ہو رہے ہیں ان میں اردو عملہ کی عدم فراہمی، تعلیم کے انتظام کے لئے طلبہ کی جو متعین تعداد کی شرط، طالب علموں کی موجودگی میں نصابی کتب کے نہ ہونے کا عذر اور کتابوں کی دستیابی کی صورت میں معلمین کی غیر موجودگی کا بہانہ خاص ہیں۔ نتیجۃً اس شکل میں برآمد ہوتا ہے کہ اردو طلبہ کو یا تو ہندی، سنسکرت یا اور کوئی زبان پڑھنا پڑتی ہے یا اردو اساتذہ کے ذمہ کسی اور مضمون کی تدریس ہو جاتی ہے۔ اس طرح کے منصوبہ بند اقدامات کی ایک مثال یہ ہے کہ گزشتہ ایک سال کے دوران نیشنل بک ٹرسٹ نے اردو کے جوائنٹ ایڈیٹر کے لئے تین مرتبہ اشتہارات شائع کئے اور ہر مرتبہ یہ شرط لگادی کہ یہ جگہ درج فہرست قبائل کے امیدوار کے لئے خاص ہے کوئی بتلائے تو سہی کہ یہ جگہ آخر کیوں کر پُر ہوگی اور کیا اس ٹرسٹ کے لئے عذر کا یہ ایک اچھا موقع نہیں ہے کہ مطلوبہ امیدوار دستیاب

نہیں ہے لہٰذا یہ پوسٹ ہی ختم کر دی جائے۔

آپ کو یہ جان کر حیرت نہیں ہوگی کہ ریسرچ کے مرحلہ میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن مقابلہ جاتی امتحان کے ذریعہ جو وظائف دیتی ہے ان میں اردو کا حصہ کل ہند سطح پر نصف درجن کے آس پاس ہوتا ہے۔ ہندی کے مقابلہ میں اس زبان کے ساتھ سوتیلا سلوک روا رکھا جاتا تو زیادہ حیرت نہ ہوتی طرفہ تماشا یہ ہے کہ سنسکرت جیسی مردہ زبان کیساتھ جو امتیازی مراعات ہیں وہ ناقابل تصور ہیں اسی امتحان کے ایک کل ہند نتیجے میں اردو وظائف کے مقابلہ میں ہندی وظائف دوگنا سے زائد تھے اور ہندی کے مقابلہ میں سنسکرت وظائف کی تعداد مزید کئی گنا زیادہ تھی۔ اس متمدن دنیا میں اتنا حیرت انگیز، عبرت خیز اور انقلاب آفریں اقدام کم ہی نظر آیا ہوگا کہ ایک زندہ زبان کو موت سے ہمکنار کرنے کیلئے سو جتن کئے جا رہے ہوں اور ایک مردہ زبان کی زندگی کے سامان ہو رہے ہوں۔ کیا کسی زبان کی بقا اور اس کا تحفظ اس لئے غیر ضروری ہے کہ وہ کسی مخصوص مذہبی فرقہ سے خاص کر دی گئی ہے

حقیقت تو یہ ہے کہ حکومت نے کبھی بطیب خاطر اردو کی ترقی کے لئے کوئی فیصلہ یا اقدام نہیں کیا اب تک اس کے فروغ کے نام پر جتنے فیصلے کئے گئے وہ سب سطحی نوعیت کے فیصلے تھے ان سے کسی زبان کی زندگی اور فروغ کی توقع کرنا سادہ لوحی ہوگی۔ البتہ وہ فیصلے اردو والوں کی زندگی تک کچھ مادی مفادات کے حصول کو یقینی بنانے میں کسی حد تک ممد و معاون ضرور ثابت ہوئے۔

ترقی اردو بیورو ہو یا اردو اکیڈمیاں یا اسی طرح اردو کے فروغ کے نام پر قائم ہونے والے ادارے زبان سے زیادہ زبان والوں کی خدمت کرتے رہے اس فرق کا نتیجہ یہ ہوا کہ زبان والوں کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ زبان بھی دفن ہوتی جا رہی ہے اور ان کی جگہ لینے والا کوئی موجود نہیں ہوتا۔ مجلسوں، کانفرنسوں، سیمینار، مشاعروں اور مذاکروں کے انعقاد، کتابوں کی طباعت کے لئے گرانٹ، طبع شدہ کتب پر انعامات یہ خلاصہ ہیں اردو کی ترقیاتی سرگرمیوں کا۔

بزرگ صحافی حیات اللہ انصاری نے قومی آواز میں مسٹر نرائن دت تیواری کی وہ تقریر

اپنے تبصرہ کے ساتھ شائع کی ہے جو اردو کانفرنس میں کی گئی تھی۔ یہ تقریر جہاں سطحی وعدوں اور پرفریب اعلانات سے مزین ہے وہیں اس میں اردو کے زوال کا ذمہ دار عالم سنگھ کو گردانا گیا ہے اور بعد میں بی جے پی کی حکومت کو جبکہ ان حکومتوں سے قبل اس صوبہ میں ایک طویل عرصہ تک کانگریس برسر اقتدار رہی اور اسی طرح اردو والوں کو طفل تسلیاں دیتی رہی۔ اس چمن کو نذر آتش کرنے کا اس سے بڑا ذمہ دار کون ہو سکتا ہے اس تقریر نے اردو کانفرنس میں پیش ہونے والے اس کلیدی خطبہ کی یاد دلائی جو مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر جناب سید حامد کے گہربار قلم کا مرقع تھا۔ ضرورت ہے کہ اردو کے حامی و مخالف دونوں کبھی کبھی اس کا مطالعہ کر لیا کریں۔ اس خطبہ کے ابتدائی الفاظ جو خلاصہ کا درجہ رکھتے ہیں پیش خدمت ہیں۔

"دنیا کے کسی جمہوری ملک میں وہاں کی کسی قومی زبان اور اس کے بولنے والوں کے ساتھ اتنی زیادتی کبھی نہیں ہوئی جتنی کہ ہندوستان میں اردو زبان اور اس کے بولنے والوں کے ساتھ ہوئی ہے۔ وطن عزیز کی انصاف پسندی اور اس کی سیکولرشپ پر یہ بہت بڑا دھبہ ہے اور بھی بات یہ ہے کہ اہل وطن کو اس غیر جمہوری اور غیر آئینی عمل کی سنگینی کا احساس تک نہیں ہے۔"

(۱) اس زبان کے تحفظ اور ترویج کے لئے درج ذیل تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہے۔

(الف) ہر اس علاقہ میں اس زبان کی تعلیم کا مناسب اور معقول بندوبست کیا جائے جہاں اس کے چاہنے والوں کی کچھ تعداد موجود ہو۔

اس زبان کی تعلیم کا یہ بندوبست ہر ضلع میں پرائمری سطح سے لے کر کالج کی سطح تک لازمی ہونا چاہئے۔

اردو کی نصابی کتب کی فراہمی اور حسب ضرورت تعداد میں اساتذہ کی تقرری کو یقینی بنایا جائے

پوسٹ گریجویٹ سطح پر اور ریسرچ کے مرحلہ میں اردو کے طالب علموں کو بھی اتنی

بھی تعداد میں وظیفہ دیے جائیں جتنی تعداد سنسکرت کیلئے مختص ہے۔

(ب) جن علاقوں میں اردو بولنے والوں کی تعداد بیس فی صدی سے زائد ہو وہاں کم از کم ۷۵ علوم کی تعلیم کا ذریعہ اردو کو بنایا جائے۔ انگریزی ذریعہ تعلیم کے مقابلہ میں یہ زیادہ ضروری ہے کہ کوئی ہندوستانی زبان اس تعلیم کا ذریعہ ہو۔ یہ انتظام ابتدائی سطح سے لیکر یونیورسٹی کی سطح تک ہونا چاہیے۔

ہندی، انگریزی میڈیم سکولوں کی طرح اردو میڈیم سکول کھولے جائیں یا اردو میڈیم کی کلاسوں کا تمام ہی سرکاری اسکولوں میں انتظام کیا جائے۔

(ج) اسمبلی و پارلیمنٹ کے مباحث، حکومتی فیصلے و اعلامیے، عدالتی کارروائیاں اور دیگر سرکاری دفاتر و محکموں میں درخواستوں اور کارروائیوں کے لئے اردو کو ہندی کے بعد دوسری زبان کا درجہ دیا جائے۔

(د) ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر اردو خبروں اور دیگر پروگراموں کے تناسب میں خاطر خواہ اضافہ کیا جائے اور اس کے لئے موزوں اور مناسب تر عملہ رکھا جائے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ بی بی سی اور وائس آف امریکہ اور وائس آف جرمنی کے اردو پروگرام زبان و بیان کے لحاظ سے ہمارے لئے قابل رشک بن جائیں۔

(ہ) اردو اخبارات و رسائل کو ویسی ہی مراعات و سہولتیں حاصل ہوں جو ہندی و انگریزی اخبارات و رسائل کو حاصل ہیں۔ سرکاری اعلامیے، اشتہارات میں سے انہیں مساوی حصہ ملنا چاہیے۔

(و) تمام ہندی ریاستوں کی دوسری سرکاری زبان اردو ہو اور حکومت، تعلیم اور صحافت کے جملہ مقاصد کے لئے اسے عملاً سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔

اگر ان تجاویز کو روبعمل لانے کیلئے دیانت دارانہ اقدامات کئے جائیں تو زبان کی سطح پر اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت کی تمام تر شکایات دور ہو جائیں گی اور قومی یکجہتی کے اس ماحول کو پیدا کرنے میں بہت مدد ملے گی جس کے لئے ملک برسوں سے ترس رہا ہے۔

حواشی و مآخذ

۱؎ فورٹ ولیم کالج کے کارناموں کی اصل نوعیت اور اس کی غرض و غایت کے لئے ملاحظہ ہو "انگریزی عہد میں ہندوستانی تمدن کی تاریخ" از عبداللہ یوسف علی نیز انتقاد از عابد علی عابد لاہور ۱۹۵۶ء

۲؎ ۳؎ ڈاکٹر کنول ڈبائیوی "اردو زبان اور اس کا نام" ص ۱۰۹

۴؎ خطبات گارساں دتاسی ص ۳۹۵ و خطبات عبدالحق ص ۱۴۲ بحوالہ اردو زبان اور اس کا نام

۵؎ ڈاکٹر انصار اللہ نظر شعبہ ریاست الٰہ آباد کے سیمینار کے موقع پر پیش کردہ مقالہ۔

۶؎ صلاح الدین احمد "بزم ادب" مشمولہ ادبی دنیا لاہور جولائی ۱۹۴۲ء ص ۔

۷؎ بپن چندر "قومی یکجہتی اور سیکولرزم" مشمولہ شاعر "قومی یکجہتی نمبر"۔

۸؎ ملاحظہ ہو پروفیسر ظہیر احمد صدیقی کا مضمون "اردو کدھر" قومی آواز ۸ دسمبر ۹۳ء

۹؎ سید ہاشمی فرید آبادی (مرتب) پنجاہ سالہ تاریخ انجمن ترقی اردو ص ۹۶

۱۰؎ آل احمد سرور اداریہ "اردو ادب" جولائی ۱۹۵۵ء

۱۱؎ ہندوستان میں اردو کا مستقبل زمانہ کانپور اگست ۱۹۳۶ء

۱۲؎ آل احمد سرور "اردو ادب" جولائی ۱۹۵۵ء

۱۳؎ کنول ڈبائیوی "اردو زبان اور اس کا نام" صفحات ۱۶۸، ۱۶۹

۱۴؎ ۱۵؎ ایچ اے نقوی "مسلم پولیٹیکل ایشوز اینڈ نیشنل انٹگریشن" دہلی ۱۹۸۹ء صفحات ۲۵، ۲۶

۱۶؎ قومی آواز ۲۰ نومبر ۱۹۹۳ء عنوان "دلی مہانگر نگم ٹیلیفون کی اردو دشمنی"

۱۷؎ پروفیسر جگدیش مکھی (وزیر خزانہ دہلی پردیش) کا بیان اردو اکیڈمی کی ایک تقریب میں "سدرو تو" نئی دہلی ۱۴ جنوری ۱۹۹۴ء ۱۸؎ مسلم پولیٹیکل ایشوز اینڈ نیشنل انٹگریشن صفحات ۲۹، ۳۰

۱۹؎ مسلم پولیٹیکل ایشوز اینڈ نیشنل انٹگریشن صفحات ۲۹، ۳۰

۲۰؎ نیشنل ہیرالڈ ۲۶ جون ۱۹۸۰ء بحوالہ سابق

۲۱؎ انقلاب بمبئی ۲۹ اپریل ۱۹۸۲ء بحوالہ سابق

۲۲؎ مسلم پولیٹیکل ایشوز ص ۳۸

شیطانی وسوسہ

علامہ [illegible] فاروقی
ازقلم: [illegible] احمد فاروقی

سوال

ایک عرصہ سے میرے دل میں ایک شیطانی وسوسہ بیٹھ گیا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف پر شک ہونے لگا ہے۔ میں بار بار اپنے دل سے پوچھتا ہوں ایسا کیوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو انتہائی امیر اور کچھ کو انتہائی غریب بنایا ہے۔ اگر سب برابر ہوتے تو کیا اچھا نہ ہوتا؟ اس شیطانی وسوسہ کی وجہ سے میری نمازیں چھوٹ گئی ہیں۔ ان وسوسوں سے نجات پانے میں میری رہنمائی فرمایئے۔

جواب

ہر مومن کے ساتھ ایسا لمحہ آتا ہے جب شیطان اسے بہکاتا اور غلاتا ہے۔ اسے مختلف وسوسوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جن کا ایمان پختہ ہوتا ہے وہ جلد ہی ان وساوس سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ آپ نے جن وسوسوں کا تذکرہ کیا ہے وہ دراصل دو بڑی غلط فہمیوں پر مبنی ہیں۔

۱۔ پہلی غلط فہمی یہ ہے کہ آپ نے دنیاوی مال و دولت ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہے آپ کا عقیدہ ہے کہ مال و دولت ہی سب سے بڑی نعمت ہے۔

آپ کو جاننا چاہیے کہ انسان کی زندگی میں مال و دولت ہی سب کچھ نہیں ہے کتنے پیسے والے ایسے ہیں جنہیں مختلف بیماریوں نے پریشان کیا ہوا ہے۔ اپنے پیسوں سے وہ صحت خرید کر نہیں لا سکتے۔ یا پھر مال و دولت کے انبار کے باوجود وراثت کی نعمت سے محروم ہوتے ہیں، یا اولاد جیسی نعمت کے لئے ترستے رہتے ہیں۔ اولاد ہوتی بھی ہے تو ناکارہ نکل جاتی ہے۔ کتنے ایسے ہیں جو غریبوں کی طرح پیٹ بھر کر کھانا چاہتے ہیں لیکن وہ اپنے پیسوں سے بھوک نہیں خرید سکتے۔ بھوک ہے تو موٹاپے کے خوف سے پیٹ بھر کر نہیں کھا سکتے۔ ماں ہیں وہ پیٹ بھر کر کھا سکتے

ہیں تو آخر وہ کتنا کھائیں گے؟ کیا اپنے پیٹ میں زمین و آسمان کو سمالیں گے؟ کیا اپنی دولت کو قبر میں ساتھ لے کر جائیں گے؟ اس پر مستزاد یہ کہ جس کے پاس جتنی دولت ہو گی قیامت کے دن اس سے حساب کتاب بھی اتنا سخت ہو گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن بندہ اس وقت تک نہیں ہٹے گا جب تک اس سے چار چیزیں نہ پوچھ لی جائیں۔ ان میں ایک سوال یہ ہو گا کہ جو دولت تمہیں عطا کی گئی تھی وہ کیسے کمائی اور کہاں خرچ کی۔

معلوم ہوا کہ مال و دولت ہی سب کچھ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی دنیا میں بہت سی نعمتیں ایسی ہیں جو اس سے قیمتی ہیں، ذرا خود پر غور کیجئے۔ یہ جو قوت بینائی آپ کو عطا کی گئی ہے کیا لاکھ دو لاکھ کے عوض آپ اسے فروخت کر سکتے ہیں؟ یہ جو قوت سماعت آپ کو ملی ہے کیا سونے چاندی کے بدلے آپ اسے بیچ سکتے ہیں؟ غرض کہ ہاتھ کان ناک آنکھ، دماغ اور دوسرے سارے اعضاء اللہ کی وہ نعمتیں ہیں کہ سونا چاندی ان کا بدل نہیں ہو سکتے ہیں۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا — اگر اللہ کی نعمتیں شمار کرنا چاہو گے تو نہیں کر سکتے ہر چیز کو مادیت کی نظر سے دیکھنا انسان کی بہت بڑی غلطی ہے۔

۲۔ دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ آپ نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کے عدل وانصاف کا تقاضہ یہ تھا کہ سارے انسان مال و دولت میں برابر ہوتے۔

بخدا برابری میں کوئی حکمت نہیں ہے۔ حکمت تو اسی میں پوشیدہ ہے کہ سب برابر نہ ہوں تاکہ انسانوں کی آزمائش ہو سکے۔ معلوم ہو سکے کہ کون شکر گزار ہے اور کون ناشکرا، کون مصیبت کی گھڑی میں صبر کرتا ہے اور کون صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ نے جو یہ زمین و آسمان پیدا کئے، ہماری تخلیق کی تو کیا یہ سب کچھ یونہی بلا مقصد کیا؟ کیا ہمیں صرف اس لئے بنایا ہے کہ ہم سب کھائیں پئیں اور مر جائیں؟ اگر سب کو برابر پیدا کرنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ بھی کر سکتا تھا کہ انسان کو بغیر پیٹ کے پیدا کرتا۔ نہ ہمیں لباس کی ضرورت ہوتی نہ سر چھپانے کیلئے گھر کی۔ پھر تو امیر و غریب کا کوئی جھگڑا ہی نہیں ہوتا۔ لیکن نہیں، حکمت و مصلحت کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان کے ساتھ انسانی ضروریات بھی

پیدا کی جائیں۔ آزمائش کی خاطر انسانوں میں فرق بھی رکھا جاتے۔ اگر کوئی احسان و بھلائی کرنے والا ہے تو کوئی ایسا بھی ہو جس کے ساتھ وہ بھلائی کرے۔ اگر کوئی صبر کرنے والا ہے تو کوئی ایسا بھی ہو جسے دیکھ کر وہ صبر کرے۔ اگر سب برابر ہوتے تو اس زندگی میں کوئی مزہ نہ ہوتا۔ کوئی بھاگ دوڑ اور کوئی گہما گہمی نہ ہوتی۔ ساری رونقِ حیات مفقود رہتی۔ دن اور روشنی کی اہمیت اور منفعت کا احساس ہمیں اسی لئے تو ہے کہ ان کے ساتھ رات اور تاریکی بھی پیدا کی گئی ہے۔ جو تاریکی نہ ہوتی تو روشنی کا ہمیں کیا احساس ہوتا!

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ہم انسان خدا کی حکمت کا تعین کیسے کر سکتے ہیں!
ایک بیمار شخص رات بھر درد سے تڑپتا ہے اور چاہتا ہے کہ درد بھری رات منٹوں میں ختم ہو جائے دوسری طرف شبِ زفاف کی رنگینیوں میں مگن شادی شدہ جوڑا یہ چاہتا ہے کہ یہ رات کبھی ختم نہ ہو۔ اب آپ بتائیں کہ خدا کس کی سنے؟ کس عمل میں حکمت پوشیدہ ہے؟ حق تو یہ ہے کہ اللہ نے اس کائنات کو ایک نظام کے تحت پیدا کیا ہے۔ اس کی حکمت وہی بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے۔

یہاں پر ایک قصہ کا بیان قرینِ سیاق معلوم ہوتا ہے۔

ایک باغ میں باپ بیٹے محوِ گفتگو تھے۔ بیٹے نے باپ سے کہا ہمیں تو اس میں اللہ کی کوئی حکمت نظر نہیں آتی کہ کھجور ایسے ننھے پھل کو ایک بڑے مضبوط درخت میں اگایا۔ اور تربوز ایسے بھاری بھرکم پھل کو کمزور سی بیلوں میں جنم دیا کہ یہ بیلیں زمین سے اوپر نہیں جا سکتیں باپ نے کہا ممکن ہے اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہو گی لیکن ہم انسان نہیں سمجھ سکتے۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں سو گئے۔ اسی دوران ایک کھجور ٹوٹ کر بیٹے کے سر پر گری بیٹے کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے بتایا کہ کھجور گرنے کی وجہ سے آنکھ کھل گئی۔ باپ نے کہا کہ خدا کا شکر ادا کرو کہ اس بڑے درخت میں تربوز نہیں پیدا ورنہ آج تم آخری سانس لے رہے ہوتے۔ گرچہ یہ ایک من گھڑت قصہ ہے لیکن سوچنے والوں کے لئے اس میں سامانِ عبرت ہے۔ مومن بندے کو چاہئے کہ وہ کسی شئی میں خدا کی حکمت و مصلحت کو پا نہ سکے ہر حال میں اسے وہی کہنا چاہئے

جو فرشتوں نے کہا تھا۔

سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (البقرہ آیت ۳۲)	پاک ہے تیری ذات، ہمیں اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے۔ بلاشبہ تو ہی علیم و حکیم ہے۔

یا پھر وہ کہنا چاہئے جو قرآن میں درج ہے۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران آیت ۱۹۱)	اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بلا حکمت نہیں تخلیق کیا تیری ذات پاک ہے پس تو ہمیں جہنم کی آگ سے بچا۔

آپ کو چاہئے کہ جو شیطانی وسوسہ آپ کے ذہن میں آیا ہے اسے فوراً جھٹک دیجئے خدا سے توبہ کیجئے۔ اپنے ایمان کا اعادہ کیجئے۔ نماز پابندی سے شروع کر دیجئے اور جب بھی کوئی شک ذہن میں آئے فوراً اہلِ علم کی طرف رجوع کیجئے۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال

میرے ہاتھوں میں ایک پمفلٹ ہے۔ اس کی عبارت پڑھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔ آپ مجھے بتائیں کیا یہ باتیں صحیح ہیں یا گھڑی ہوئی ہیں؟ اس پمفلٹ میں الشیخ احمد جو حرم نبوی کی کنجیوں کے محافظ ہیں ان کی وصیت درج ہے۔ اس وصیت میں تمام مشرق و مغرب کے مسلمانوں کیلئے متعدد پند و نصائح ہیں۔ اور آخر میں یہ درج ہے کہ بمبئی میں فلاں شخص نے اس وصیت کو شائع کرا کر لوگوں میں مفت تقسیم کرایا تو اللہ نے اسے پچیس ہزار روپئے بخشے۔ ایک دوسرے شخص نے اسے مفت تقسیم کرایا تو اسے چار ہزار روپیوں کا فائدہ ہوا۔ ایک شخص نے اسے جھٹلایا تھا اسی دن اپنے بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ آخر میں یہ لکھا ہے کہ جس شخص نے اس پمفلٹ کو پڑھا اور اسے شائع کرا کر لوگوں میں تقسیم نہیں کرایا تو وہ بڑی بڑی مصیبتوں میں گرفتار ہو جائیگا۔ آپ کی اس وصیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

جواب:-

اس وصیت کے بارے میں متعدد افراد نے بارہا سوال کیا ہے یہ کوئی نئی شعبدہ بازی نہیں ہے۔ بلکہ سالوں قبل بھی میں نے اس قسم کی وصیت پڑھی تھی۔ اور اس وقت بھی یہ وصیت اسی الشیخ احمد حافظ حرم نبوی کی طرف منسوب تھی۔ میں نے مدینہ جاکر متعدد لوگوں سے الشیخ احمد کے بارے میں دریافت کیا، کون تھے؟ کہاں رہتے تھے؟ لیکن کسی کو بھی ان شیخ کی خبر نہیں ہے۔ کوئی بھی اس نام کے شیخ کو نہیں جانتا حیرت کی بات ہے کہ مدینہ میں تو اس شیخ سے کوئی بھی واقف نہیں۔ لیکن اس سے منسوب وصیتیں ان علاقوں سے نشر ہورہی ہیں جہاں بدعتیں اور گمراہیاں عام ہیں اس وصیت کو پڑھ کر کوئی بھی صاحب نظر کہہ سکتا ہے کہ یہ من گھڑت ہے۔ مثال کے طور پر اس میں پیشین گوئی ہے کہ قیامت بہت قریب ہے۔ یہ تو کوئی نئی بات نہیں ہے قرآن میں اللہ پہلے ہی ہمیں اس سے متنبہ کرچکا ہے۔

لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا۔ — کچھ بعید نہیں کہ قیامت بہت قریب ہو

حضورؐ بھی فرما چکے ہیں۔

بعثت انا والساعة کہاتین — (اپنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر کے آپؐ نے فرمایا)

"میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح قریب قریب بھیجے گئے ہیں"۔ ان صراحتوں کے بعد اسکی چنداں ضرورت نہیں تھی کہ اللہ کسی شیخ کو خواب میں حضورؐ کی زیارت کرائے اور انکی زبانی لوگوں کی یاددہانی کرائے۔ یاددہانی کے لئے اب کوئی نیا رسول اور نبی نہیں آئے گا۔ اب صرف قرآن اور سنت ہی قیامت تک کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ اللہ فرماتا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي — آج میں نے تمہارا دین تمہارے واسطے مکمل کردیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی۔

ان تصریحات کے بعد اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اب بھی تذکیر کی خاطر کسی شیخ کی وصیت ضروری ہے تو اس نے دین اسلام کو سمجھا ہی نہیں۔

اس وصیت میں لوگوں کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر انہوں نے اسے نشر کراکر لوگوں میں تقسیم نہیں کرایا تو مصیبتوں میں گرفتار ہوسکتے ہیں، حالانکہ قرآن اور حدیث کے بارے میں بھی کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ پڑھنے کے بعد اسے نشر کراکر لوگوں میں مفت تقسیم نہیں کرانیوالا مصیبتوں میں گرفتار ہوسکتا ہے تو کیا نعوذ باللہ اس وصیت کی اہمیت قرآن و حدیث سے بھی بڑھکر ہے!

پمفلٹ میں اس بات کا دعویٰ کہ تقسیم کرانے والوں کو روپے پیسوں کا فائدہ پہونچا دراصل کم فہم مسلمانوں کو صراط مستقیم سے دور لے جانے کا آسان نسخہ ہے۔ اللہ نے رزق کمانے کے طریقے مقرر کئے ہیں، ان ہی طریقوں سے ساری دنیا رزق کماتی ہے خود حضورؐ نے بھی رزق کمانے کیلئے ان ہی طریقوں کو اختیار کیا۔ ان طریقوں سے ہٹ کر جس طریقہ کی دعوت اس پمفلٹ میں ہے وہ ظاہر ہے کہ لوگوں کو [illegible] جانے کا ذریعہ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

غزل

شفیع اللہ خاں [illegible]

آدمی کے درمیاں کچھ بھی نہیں
وسعتِ کون و مکاں کچھ بھی نہیں

جگمگائیں دل کو ایمانی چراغ
زیست کی تاریکیاں کچھ بھی نہیں

راہرو اس رہنما کے ساتھ ہیں
جس کو فکر کارواں کچھ بھی نہیں

تیرنے والے اگر مشتاق ہیں
فتنۂ سیلِ رواں کچھ بھی نہیں

کوہساروں کا یہ دعویٰ ہے غلط
آئینوں کے درمیاں کچھ بھی نہیں

کارفرما تیرا حسنِ بیاں
ورنہ مری داستاں کچھ بھی نہیں

باعثِ فخر گلستاں تھا کبھی
آج قدر آشیاں کچھ بھی نہیں

چند دن پہلے یہاں سب کچھ تھا [illegible]
وائے قسمت! اب یہاں کچھ بھی نہیں

لکھ رہا ہوں جنوں میں کیا کیا

ابوالاحسان فاروقی

بات سے بات نکالو تو ذرا بات بنے

یہ کالم اکتوبر ۱۹۹۳ء میں تحریر کیا گیا تھا لیکن بعض وجوہات کی بنا پر تاخیر سے شائع کیا جا رہا ہے

بات منہ سے نکلنے والے الفاظ کے مجموعے کا نام ہے پر شرط یہ ہے کہ مجموعہ بے معنی نہ ہو بلکہ معنی خیز ہو۔ لیکن اگر کہیں مجموعے میں معنی خیزی نہ پائی گئی تو کوئی بات نہیں کیونکہ بات بات ہے اور فی زمانہ "لایعنی باتوں" کا چلن زوروں پر ہے ـــــ چلن پر زیادہ غور کرنے کی ضرورت نہیں کہ "چال ڈھال" اور "حال چال" کے بارے میں اکثر لوگ شاکی ہیں بہت سارے لوگوں کا حال تو ٹھیک ہوتا ہے مگر ان کی چال بدستور خطرے میں پڑی رہتی ہے۔ چال کو رفتار بھی کہتے ہیں اور سب سے تیز رفتار روشنی کی ہوتی ہے۔ علم کا دوسرا نام روشنی بھی ہے۔ روشنی کی اس قدر تیز رفتاری کے باوجود بھی اکثر لوگ جاہل ہیں اب روشنی کی رفتار پر اب انگلی اٹھنے لگی ہے ـــــ شہادت کے لئے انگلی اٹھانا سنت ہے اور اس سنت کو ہم دن میں بار بار تازہ کرتے ہیں مگر ادھر انگلی اٹھانے میں وسعت پیدا ہو گئی ہے بقول کسے،

انگلیاں مسجدوں پہ اٹھیں گی اگر ہم بھی اٹھ جائیں گے غزنوی کی طرح

بابری مسجد کی شہادت سے قبل اس شعر سے ہماری امید تو یہ بندھی تھی کہ اگر دوبارہ مسجدوں پر انگلیاں اٹھائی گئیں تو جملہ مسلمانان ہند نہ سہی کم از کم شعرائے اسلام تو ضرور محمود غزنوی (۹۷۱ ـــ ۱۰۳۰) کی طرح اٹھ کھڑے ہوں گے مگر غلطی ہماری تھی کہ ہم یہ پہلو ہی نظر انداز کر گئے ـــــ غزنوی کی طرح اٹھنا جملہ مسلمانان ہند کی ذمہ داری تھی البتہ شعرائے اسلام کا کام دور غزنوی کے مشہور زمانہ شاعر فردوسی (۹۳۲ ـــ ۱۰۲۰) کی طرح "شاہنامہ" لکھنا تھا جو انہوں نے بابری مسجد کی شہادت کے بعد "شکیل مرثیہ" تیار کر دکھایا۔

شاہنامہ کے خالق فردوسی نے تیس سال کی طویل عرق ریزی اور خوب خوب

دماغ پاشی کے بعد ساٹھ ہزار اشعار پر مشتمل ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جو دنیا کا سب سے بڑا منظوم مجموعہ قرار پایا۔ یہ الگ بات کہ اس میں کچھ بے معنی بھی ہیں اور کچھ بامعنی بھی مگر آج کے شعراء تو بیٹھے بٹھائے محض رنگ اور ترنگ کے زور پر انگلی کٹا کر شہیدوں میں نام لکھوانے میں اتنا آگے بڑھتے جا رہے ہیں کہ سروے کنندگان کو شہداء کی فہرست مرتب کرنا "مجاہدہ" ثابت ہوتا جا رہا ہے۔

فہرست کی بات بھی کافی دلچسپ ہے۔ فہرست کسی بھی چیز کی ہو اہم ہوتی ہے اخراجات کی فہرست تو خواتین کے لئے خاص کر اہم ہے۔ کتابوں کی فہرست کی افادیت سے تو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ شومئی قسمت کسی مؤلف یا مصنف سے اگر کتاب کی فہرست سہواً چھوٹ جائے تو تبصرہ کنندگان کو فہرست کی اہمیت و افادیت پر ڈیڑھ دو صفحات سیاہ کرنے میں اپنے فرض منصبی کی تکمیل نظر آتی ہے لہٰذا اب تو اس کی اہمیت اتنی بڑھ گئی ہے کہ ضخیم کتابوں کے بعض مصنفین و مؤلفین فہرستوں کی فہرست پر الگ ایک جلد قائم کر کے پر فخر محسوس کرنے میں حق بجانب ہوتے جا رہے ہیں ـــــ وفاداروں کی فہرست اور بے وفاؤں کی فہرست تو ہر زمانے میں احتیاط سے رکھی جاتی ہے۔ وفاداروں اور بے وفاؤں کے ساتھ سلوک کی نوعیت بھی فطری طور پر جدا جدا ہے ـــــ ہندوستان کے وفاداروں کی فہرست میں سب سے پہلا نام گاندھی جی کا ہے۔ اسی لئے ان کے بت اور پیرانہ سالی کی پرواہ کئے بغیر جا بجا اس کثرت سے ان کے مجسمے نصب کئے جاتے ہیں کہ متعدد شہر و قصبات تجاوزات کے شکار ہوتے جا رہے ہیں یہ الگ بات ہے کہ قدر ناشناس کتے ایک ٹانگ اٹھا کر ان کی بے حرمتی کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتے خیر انہیں اس کا حق بھی ہے کہ کتوں سے بڑا وفادار اس کرۂ زمین پر کوئی اور ذی روح موجود نہیں۔

بے وفاؤں کی فہرست کافی لمبی ہے البتہ ادھر ایک مشہور زمانہ بے وفا کا تذکرہ سرخیوں میں رہتا ہے۔ ان کا تعلق پڑوسی ملک بنگلہ دیش سے ہے۔ لوگ انہیں پروفیسر غلام اعظم کے نام سے یاد کرتے ہیں ـــ ان کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ ان کا نام شہرت یافتہ

کی فہرست میں موجود نہیں نیز وہ انتشار و افتراق اور خدا بیزاری کے اس دور میں بھی اتحاد و اتفاق اور ساری زمین اللہ، اس کے رسول اور نیک بندوں کی" کا راگ اس شعر میں الاپتے رہتے ہیں کہ "مسلم ہیں ہم وطن ہیں سارا جہاں ہمارا" ۔۔۔ ویسے کسی خاتون وزیر اعظم کے زمانے میں وفادار کو بے وفا اور بے وفا کو وفادار سمجھا جانا غیر فطری بات نہیں کہ عورتیں کرشمہ سازی کے فن میں طاق ہوتی ہیں بقول کسے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

فہرست کی ترتیب میں باریک بینی اور دقت نظری سے کام لینا ایک بنیادی امر ہے معاملہ جتنا اہم ہو اس کی فہرست بھی اسی لحاظ سے اہمیت کی حامل ہوگی۔ کسی سنگین معاملے کی فہرست سے کسی فرد کا نام اگر کبھی گر جائے تو بسا اوقات منہ میں لڈو پھوٹتے ہیں ورنہ غل غپاڑہ کی نوبت بجتی ہے ۔۔۔ مگر جناب ہماری نظروں سے ایک ایسا واقعہ گذرا ہے کہ جسے واقعہ کہتے ہوئے جھوٹ کا گمان ہوتا ہے پر ہے وہ صدفی صد سچ ۔۔۔ ۱۹۷۵ء کی ایمرجنسی کا واقعہ ہے۔ بلبل ہند مسز گاندھی برسر اقتدار تھیں ۔۔۔ دیگر خطرناک لوگوں کے ساتھ جماعت اسلامی والے بھی گرفتار ہونے لگے۔ ایک علاقے میں جماعت کے ارکان کی ایک اچھی تعداد بستی تھی۔ گرفتاری کا پروانہ آیا تو ایک بزرگ کا نام فہرست کی ضبط سے باہر تھا۔ ہم نے سوچا کہ اب تو وہ منگری سے ڈھول بجائیں گے۔ مگر فہرست میں اپنا نام نہ پاکر ان کا چہرہ اتر گیا ۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں کوئی بہت بڑا صدمہ پہنچا ہو ۔۔۔ انہوں نے داروغہ سے کہا کہ غلطی سے میرا نام فہرست میں چھوٹ گیا ہے۔ میں بھی جماعت کا رکن ہوں۔ میرے ارکان ساتھیوں سے پوچھ لیجیے ۔۔۔ پھر انہوں نے اپنے ارکان ساتھیوں سے گواہی بھی دلوائی مگر داروغہ نے کہا کہ آپ کا نام ہمارے پاس نہیں ہے ہم آپ کو گرفتار نہیں کر پائیں گے۔ اس پر وہ اور پریشان ہوگئے۔ جب ان کے ساتھی گرفتار کرکے پولیس کی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے تو ان کی حالت قابل دید تھی ۔۔۔ کبھی وہ داروغہ کو اپنی رکنیت کا یقین دلاتے، کبھی اپنی رکنیت پر اپنے ساتھیوں سے گواہی دلواتے اور کبھی عالم بے قراری میں زبردستی گاڑی میں بیٹھنے کی کوشش کرتے ۔۔۔ مگر داروغہ نے

نے ایک نہ مانی ۔۔۔ حسرت و یاس کے عالم میں وہ گاڑی کو اس وقت تک دیکھتے رہے جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی اور پھر وہاں سے آنسو پونچھتے ۔۔۔ اگلے دن پتہ چلا کہ وہ اپنی گرفتاری دینے پولیس چوکی خود گئے تھے مگر فہرست میں نام نہ ہونے کی وجہ سے وہاں سے بھی مایوس لوٹے۔ لوٹتے وقت انکی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ وہ زار و قطار رو رہے تھے ۔۔۔ ایک بزرگ نے ان سے پوچھا کہ بھائی صاحب! آپ آخر اتنا ۔۔۔ دل برداشتہ کیوں ہیں؟ تو انہوں نے اپنی ہچکیوں پہ قابو پاتے ہوئے جواب دیا "برادر من! اللہ تعالیٰ کے راستے میں قربانی دینے کا موقع آیا تو میں اتنا بد نصیب ہوا کہ اس نے مجھے قربانی دینے کے لائق نہیں سمجھا" ۔۔۔ ادھر بابری مسجد کی شہادت کے بعد کاپ جماعت پر پھر آزمائش آئی۔ قربانی دینے کا ایک موقع پھر انہیں ملا مگر معاملہ اس بار الٹا ہوا تھا ۔۔۔ وہ افراد کہ جن کا نام حسب نسب اور حدود اربعہ سمیت فہرست میں موجود تھا وہ خود اپنا نام تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ بہت سارے لوگ کنی کترا گئے ۔۔۔ خیر ہمیں بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں ہو سکتا ہے جماعت کی پالیسی ہی بدل گئی ہو کہ وقت رین کو جہاد بھی کہتے ہیں اور جہاد میں آگے بڑھنا تو محمود ہے ہی نیز اسی میں جنگی چال اور بھاگنے کے پیچھے نظریہ بھی قابل تعریف ہے مزید یہ کہ اس سے خون میں حدت بھی پیدا ہوتی ہے ؎

جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا — لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

لہو گرم ہو یا ٹھنڈا لہو ہے۔ لہو وہ سرخ سیال مادہ ہے جو بلا تفریق مذہب و ملت ہر کالے اور گورے میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ لہو کو خون بھی کہتے ہیں اور خون پینا حرام ہے مگر کچھ لوگ "خون کے گھونٹ" پینے میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے ۔۔۔ لہو کا کام گردش کرنا ہے اور گردش جتنی تیز ہو لہو اسی قدر گرم ہوتا ہے ۔۔۔ مگر بعض لوگ لہو کی تعریف میں تشدد سے کام لیتے ہیں، رگوں میں دوڑنے پھرنے کے بعد بھی لہو کو اس وقت تک لہو نہیں کہتے کہ جب تک بچشم خویش تقاطر امطار کی فضا نہ بن جائے ؎

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل — جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

خیر اتنی بات تو صاف ہوگئی کہ لہو کا ایک کام ٹپکنا بھی ہے۔ چونکہ لہو کا گھر دل ہے اور اس کا میدان عمل ہے جسم کے دور دراز علاقوں تک۔ دل سے ہی جاتا ہے اور وہ بے شمار رگیں پھیلا، اگر دل کو چیرا جائے تو وہاں سے بھی لہو ٹپکنے کا قوی امکان ہے۔

حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو — لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں

اس شعر پر ہم لوگ غور و فکر کرتے رہے مگر کچھ خاک نہ سمجھ میں آیا۔ خورشید اور ذرے کے چکر میں بھی اُترتے رہے۔ بے نصیب کسی گاؤں میں ہمارا جانا ہوا اور پھر وہاں ہم لوگوں کے ذہن سے عقدہ کھل گئے — ایک بزرگ تھے ان کا نام تھا خورشید عالم — اور ان کے جواں سال بیٹے کا نام ذرہ نواز تھا۔ بیٹا انہیں بہت محبوب تھا ویسے بیٹا ہر کسی کو محبوب ہوتا ہے اسی لئے اسے لختِ جگر اور نورِ چشم یا نورِ نظر بھی کہتے ہیں — وہ بار بار اپنے بیٹے کو برخوردار، لختِ جگر اور راحتِ قلب کے القاب سے یاد کرتے تھے — اچانک مجھے ایک جھٹکا سا لگا — شعر میرے ذہن میں سٹپٹایا اور پھر اس کی ساری گرہیں کھل گئیں یعنی اس طور پر کہ اگر ذرہ نواز کا دل چیرا جائے تو یقیناً خورشید عالم صاحب کا ہی لہو ٹپکے گا۔

لہو ٹپکنے کی بات اپنی جگہ مسلم ہے مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا لہو نہیں ٹپکتا خواہ ان کا دل ہی کیوں نہ چیر دیا جائے — ایک صاحب ایسی ہی صلاحیتوں کے مالک تھے — وہ مہینے میں دلوں کے مسلسل شور پر بار بار تنبیہ کرتے "دل ناداں نہ دھڑک اے دل ناداں نہ دھڑک"۔ دل اگر دھڑکنا بند کر دیتا تو پھر وہ "دل ناداں" ہی کیوں ہوتا۔ انہوں نے دھڑکنا ہی بند کر دیا — آخر انہیں ایک دن بڑا ناز آیا اور انہوں نے سینہ چیر کر رکھ دیا اچھا ہوا اب انہیں کوئی تکلیف نہیں تم جتنا فرمائیے"

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

بروایت ثانی "جو چیرا تو نکلا اک گھونگا چھنگا" — گھونگا چھنگا وہاں کیسے پہنچا ہو سکتا ہے وہ دل کو تفریح پہنچانے گیا ہو کہ گھونگا بڑا مقوی قلب ہے — خیر یہ کام تو میڈیکل سائنس کا ہے — ویسے ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ گھونگا ہو کہ چھلکے میں خون نہیں ہوتا۔

چھلکا گھونگا ہو یا نارنگی کا، چھلکا چھلکا ہے۔ چھلکے کو کھال بھی کہتے ہیں اور کھال کو

چمڑا بھی۔ کھال اور چمڑے میں بظاہر کوئی فرق نہیں مگر برو سے بلاغت دونوں کے درمیان عموم خصوص کا ہلکا سا تعلق ہے۔ کھال عام ہے اور چمڑا خاص یعنی طور کہ لفظ کھال ہر اس جگہ استعمال ہو سکتا ہے کہ جہاں چمڑے کا استعمال ہے مگر چمڑے میں یہ دم نہیں کہ "بال کی کھال" کی جگہ "بال کا چمڑا" مستعمل نہیں — کھال کو پہچاننے اور اس کی باریکی کا جائزہ لینا بھی ایک فن ہے — اس فن کے ماہرین بھی خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ نقل کیا جاتا ہے کہ کسی رئیس کے پاس ایک فقیر پہنچا۔ اس نے بڑے سلیقے سے بھیک مانگی۔ اس نے کہا "محترم! مجھے دھتکار باز مت سمجھئے گا۔ میرا بھی ایک وقت تھا۔ میں بھی آپ کی طرح رئیس تھا۔ گردشِ زمانہ نے مجھے یہاں لا کھڑا کیا ہے۔ آپ میری کچھ مدد کر سکیں تو کرم ہوگا" — رئیس فقیر سے متاثر ہوا — رئیس کے یہاں اس دن مرغ مسلم پکا ہوا تھا اس نے فقیر سے ازراہ امتحان پوچھا "تم پہلے رئیس تھے اچھا بتاؤ مرغ کی کون سی چیز سب سے زیادہ مزیدار ہوتی ہے" — فقیر نے برجستہ جواب دیا "مرغے کی کھال" — جواب بالکل درست تھا۔ رئیس بہت خوش ہوا۔ اس نے فقیر کو خوب خوب نوازا — تھوڑی دور کھڑا ایک دوسرا فقیر یہ سارا ماجرا بڑے غور سے دیکھ رہا تھا — اس نے سوچا ارے اتنی سی بات پر فقیر مالا مال ہو گیا۔ خیر میں بھی اسی طرح آتا ہوں — اگلے دن دوسرا فقیر رئیس کے یہاں پہنچا۔ پہنچتے ہی بولا "دیدہ دانش کے نام پر سیٹھ جی ایک وقت میرا تھا میں بھی سیٹھوں میں گنا جاتا تھا آج دو کوڑی کو ترس رہا ہوں" رئیس کے یہاں اس دن گائے کا گوشت پکا تھا۔ اس نے اس دوسرے فقیر سے ازراہ جائزہ پوچھا "بتاؤ گائے کی کون سی چیز سب سے زیادہ مزیدار ہوتی ہے" فقیر جھٹ سے بولا "گائے کی کھال" — اور پھر اس کا سارا پول کھل گیا۔

پول تو ساڑھے پانچ گز کے پیمانے کے معنی میں آتا ہے تیر و پلنڈے کے کنارے کو بھی پول کہا جاتا ہے مگر "ڈھول کے پول" سے جو مفہوم مترشح ہوتا ہے وہ کھوکھلے پن کا ہے — "ڈھول کا پول" کہئے یا — "پول کا ڈھول" بات ایک ہی ہے — ویسے کافی دنوں سے ہم سنتے آئے ہیں کہ "دور کا ڈھول سہانا" ہوتا ہے۔ نزدیک کا ڈھول

سہانا کیوں نہیں ہوتا یہ بات آج تک پلے نہیں پڑی ــــ ایک بار میاں سے میں نے پوچھا کہ حضرت اس کا کیا مطلب ہے ــــ تو انھوں نے کہا "میاں لغوی اعتبار سے تمہیں کیا بتاؤں بس سمجھ لو "گھر کی مرغی دال برابر" ــــ میں نے "ڈھول" "سہانا" "گھر" "مرغی" اور "دال" کے بارے میں بہتیرا سوچا، ایک کی دوسرے کے ساتھ جوڑ لگائی اور دماغ کو بار بار جھنجھوڑا مگر گتھی پھر بھی نہ سلجھی ــــ کافی غور و خوض کے بعد بمشکل غیر اطمینان بخش استدلال کی راہ جو نکلی وہ یوں تھی ــــ ڈھول کا تعلق مرغی سے جوڑا کہ ڈھول سے مرغیاں بدکتی ہیں اور بقول ایک ماہر طبیب، ڈھول کی آواز سے امراض قلب کے تولد کا امکان روشن ہوتا ہے۔ مرغیاں چونکہ ضعیف القلب واقع ہوتی ہیں لہٰذا ڈھول سے ان کا تعلق گہرا ہے ــــ "سہانے" کا تعلق "گھر" سے قائم کیا کہ گھر ہر شخص کو سہانا لگتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ گھر کو جان بہار نے نواز رکھا ہو ــــ اور اگر کہیں بدقسمتی سے گھر خالی رہ گیا تو رحمت کے بجائے گھر زحمت ہو جاتا ہے کہ "خانہ خالی را دیو می گیرد" ــــ دل کو بھی گھر کہتے ہیں لہٰذا اس بات کی جانب سعی بلیغ ہونی چاہئے کہ وہ بھی خالی نہ رہنے پائے کہ خالی مثبت خالی برابر حیوان ہوتا ہے ۔

ایک شیریں تو کوئی دل میں بٹھا لو ناقل ورنہ پھر کاہے کو یہ کوہکنی ہوتی ہے

اب باقی بچی "دال" تو باوجود تلاش بسیار کے میں اس کا رشتہ کسی سے نہیں جوڑ سکا جز اس کے کہ وہ مرغی سے جڑ جاتا کہ مرغی دال کھاتی ہے یا گھر سے جڑ جاتا کہ دال گھر میں رکھی جاتی ہے مگر اس میں سطحیت تھی۔ میں نے مزید غور کرنا ترک کیا کہ مجھے جوتیوں میں دال بٹنے کا خطرہ تھا۔

بات سے بات نکلی اور جوتے، دال تک پہنچ گئی۔ بات سے بات نکالنے کو بال کی کھال نکالنا بھی کہتے ہیں اور "بال کی کھال نکالنے" کو بات کا بتنگڑ بھی کہتے ہیں حیران تمام کے طریقے کو دیکھ کر اس "کام" کا نام بھی دیا جاتا ہے لہٰذا میں نے اس کالم کا عنوان "میری سمجھ کا" کو بکواس نہ سمجھو لوگو ــــ" رکھا تھا مگر علامہ گیسو دراز دامت برکاتہم نے اسے منظور نہیں فرمایا۔ منظور نا منظور کی بات بھی کافی اہم ہے کہ فالتو اب صفحات کو بھی مزید سیاہ ہونا منظور نہیں ویسے اس باب میں سب سے حق کی بات یہ ہے کہ جو ہوتا ہے وہ منظور خدا ہوتا ہے خیر ہم اگر عطا لایا۔ فقط قوت سطحیت باقی۔

اشہد رفیق ندوی

آہ! مولانا اظہار الدین اصلاحیؒ

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر (ضلع اعظم گڑھ) کے نامور فرزند و دبستان فراہی کے قابل فخر رکن اور الاصلاح کے سینیئر استاذ مولانا اظہار الدین اصلاحیؒ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ قصبہ سرائے میر سے چار کلو میٹر (شمال) کے فاصلہ پر زمین داروں کے مشہور گاؤں بینا پارہ میں پیدا ہوئے، ابتداء سے انتہا تک تمام تعلیم مدرسۃ الاصلاح میں حاصل کی، مولانا کے والد مرحوم مدرسہ کے قدیم خدمت گاروں میں تھے، انہوں نے اپنے ساتھ رکھ کر بہترین تربیت کی، حسن اتفاق سے مولانا کو الاصلاح کا وہ زمانہ ملا تھا جو اس کا عہد شباب کہا جاتا ہے مولانا اختر احسن اصلاحیؒ، مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم اور مولانا شبلی متکلمؒ جیسے لائق و فائق اساتذہ وہاں تعلیم و تربیت پر مامور تھے، مولانا فراہیؒ بنفس نفیس اساتذہ کی رہنمائی و مدرسہ کی نگرانی کے لئے موجود تھے، قدرت نے مولانا کو غیر معمولی ذہانت و قوت حافظہ عطا کی تھی، جو چیز ایک بار نظر سے گذرتی یاد ہو جاتی، فہم و ادراک کا بھی غضب کا ملکہ تھا، مشکل سے مشکل گتھی خود سلجھانے کے عادی تھے، بلکہ مشکلات سے لڑنا ان کا شوق تھا، زمانہ طالب علمی سے ہی انھوں نے مشکلات سے لڑنا شروع کیا، شعر و ادب کے مشکل مقامات ہوں یا منطق و فلسفہ کی پیچیدہ اصطلاحات، احادیث کی تشریح و توضیح ہو یا آیات کی تفسیر و تاویل ہر مشکل کو بنیادی ماخذ و ضوابط کی روشنی میں خود حل کرنے کی کوشش کرتے، قدرت کا کچھ کرنا ایسا تھا کہ زندگی کے ہر موڑ پر انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اور واقعہ یہ ہے کہ جس نے انہیں اس سے دو چار کیا تھا، اس نے کامیابی بھی عطا کی۔

مولانا کی زندگی کا بیشتر حصہ تعلیم و تدریس میں گذرا، مختلف مدارس و مکاتب کے علاوہ زیادہ تر حصہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کی خدمت میں گذرا، یہاں آپ تین بار آئے گئے، اگرچہ ان کی آمد و رفت انتظامیہ کے "ذہنی تحفظات" کی وجہ سے ہوئی، جو بالعموم فرد متعلق کے لئے بڑی جاذبیت کا باعث تھی، تاہم مولانا کو مادر علمی سے جو گہری عقیدت و

نیت تھی، اسی وجہ سے انہوں نے ہمیشہ پورے انشراح صدر، پورے اعتماد اور پورے جوش و جذبہ کے ساتھ مدرسہ کی خدمت کی، آپ منتہی درجات کے استاذ تھے، بالخصوص حدیث شریف کا درس دیتے تھے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ مدرسہ کے پورے نصاب پر مکمل دسترس رکھتے تھے، اور جس مضمون کے لئے کوئی تیار نہ ہوتا اسے مولانا پڑھا کر اپنے ذوق اور اس کا حق بھی ادا کر کے دکھاتے، چنانچہ عقائد، منطق و فلسفہ، حجۃ اللہ البالغہ، اور مقدمہ ابن خلدون وغیرہ بھی پڑھاتے تھے۔

اتالیق کی حیثیت سے بھی انہوں نے مدرسہ کی خدمت کی، وہ اس معنی میں بہت کامیاب اتالیق تھے کہ بیک وقت بہت شفیق بھی تھے اور سخت گیر بھی، شفقت کا عالم یہ تھا کہ طلبہ کی ہر طرح کی ضروریات، مشکلات، اور خواہشات کا خیال رکھتے، بیمار کی مزاج پرسی، پریشان حال کی دادرسی، اور ضرورت مند کی اعانت ان کی عادات میں شامل تھی، اور سخت گیری کا معاملہ یہ تھا کہ نظم و قانون کی خلاف ورزی پر ایسی سخت سزائیں دیتے کہ چھڑیاں ٹوٹ جاتیں۔

مولانا اپنے گاؤں اور مضافات کے قاضی اور خطیب بھی تھے، یہاں ان کی حیثیت مذہبی پیشوا کی تھی، تمام اہم امور میں انہیں شریک رکھا جاتا، اور ان کی بات فیصلہ کن مانی جاتی اگرچہ علاقہ میں علماء کی کمی نہیں ہے۔

استاد و مربی، قاضی و خطیب جیسے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود طبیعت نہایت سادہ تھی، سادہ لباس، سادہ خوراک، ٹوٹی پھوٹی سواری، اور باتوں کی بجائے عمل ان کی پہچان تھی، غیرت، خود داری، عدالت و شجاعت، محنت و اجتہاد بھی ان کی نمایاں صفات تھیں، تعلیم و تدریس ہی ان کا ذریعہ معاش تھا لیکن پہلی مرتبہ جب ان کا سلسلہ تدریس منقطع ہوا تو فکر معاش کیلئے طرح طرح کے تجربے کئے، اور بعض ایسے پیشے بھی اختیار کئے جو موجودہ سماجی سٹ اپ میں ان جیسے جلیل القدر عالم کے شایان شان نہ تھے، مگر کسب حلال کیلئے انہوں نے اس میں کبھی عار محسوس نہ کی، اور علماء سلف کی یاد تازہ کر دی۔

مولانا جس طرح سادہ اور خاموش زندگی گذارنے کے عادی تھے، اسی طرح خاموشی کے ساتھ ۲۶ رنومبر ۱۹۹۵ء کو اس دار فانی سے رخصت ہو گئے، عمر کے آخری ایام بڑی تنگ دستی میں گذرے۔ چند برس قبل مدرسۃ الاصلاح سے پیرانہ سالی کے جرم میں سبکدوش

ہو کر گھر کیلئے رخصت ہوئے تو جسم پر بوسیدہ لباس اور ہاتھ میں بانس کی لٹھیا کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اور عمر کی اس منزل میں داخل ہو چکے تھے کہ محنت و جفاکشی بھی ممکن نہ تھی، بس قناعت اور محنت کے شوق میں بقیہ ایام صبر و شکر کے ساتھ گذار دیئے، گذشتہ ۹۔۱۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء کو الاصلاح میں "نظم قرآن" کے موضوع پر سیمینار ہوا تو اس میں بھی کسی طرح حاضر ہوئے، اس وقت یادداشت جواب دے چکی تھی، مشکل سے چند قدم پیدل چل پاتے تھے، کسی شاگرد نے پوچھا مولانا اتنی زحمت کی کیا ضرورت تھی، گویا ہوئے "اب میرا چل چلاؤ ہے، سوچا کہ تم لوگوں کو ایک بار پھر اپنی نظر سے دیکھ لوں، تم ہی لوگ تو میرے وارث و جانشین ہو، مجھے خوشی ہے کہ اب تم لوگ اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے ہو" اس واقعہ کو ابھی ڈیڑھ ماہ بھی نہیں بیتے، لیکن اس وقت ہمارے گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مولانا اپنی اولاد کو قدموں پر کھڑا دیکھ کر اتنی جلدی دنیا سے چلے جائیں گے۔

مولانا کے شاگردوں کی ایک قابل ذکر تعداد مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں موجود ہے جہاں ان کے انتقال کی خبر کافی تاخیر سے پہنچی، ان کے متوسلین فوراً ادارہ علوم القرآن میں انجمن طلبہ قدیم مدرسۃ الاصلاح شاخ علی گڑھ کی دعوت پر اکٹھا ہوئے اور استاذ گرامی کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا، اور مغفرت و بلندی درجات کے لئے دعائیں کیں۔ مذکورہ بالا تاثرات دراصل اسی نشست کا خلاصہ ہیں۔

غزل

ایم اے شمسی دوگھروی

رخ پہ چھایا نکھار ہے صاحب
دل ہرا جب قرار ہے صاحب

جھوٹ کو سچ بناتا رہتا ہے
وہ بڑا ہوشیار ہے صاحب

ساری دنیا میں کھلبلی سی ہے
زندگی تار تار ہے صاحب

اس ترقی پذیر دنیا میں
زندگی تار تار ہے صاحب

آرزوؤں کے پھول کھل نہ سکے
یہ بھی کوئی بہار ہے صاحب

آج شمسی کی قدر مت کیجئے
کل کا یہ شاہکار ہے صاحب

محمد اسمٰعیل فلاحی

وفیات

ایک دیرینہ خادم جامعہ کا انتقال

محمد حسین فلاحی صاحب (بلیا گنج) کے والد بزرگوار اور جامعہ کے دیرینہ خادم جناب عفان شاہ صاحب چند دنوں کی علالت کے بعد ۹ مئی ۱۹۹۵ء کو انتقال فرما گئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون۔ جامعۃ الفلاح جب جامعہ اسلامیہ کی شکل میں تھا موصوف اسی وقت سے تادم آخر قلیل مدت کے انقطاع کے ساتھ جامعہ کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ ان کا تعلق زیادہ تر دفتر تعلقات سے رہا ہے۔ جامعہ کا ذریعہ آمدنی دوسرے ذرائع کیا تھے جبکہ چنگی بھی تھا عفان شاہ صاحب یہ چنگی وصول کیا کرتے تھے۔ جامعہ کی ۱۹۹۰ء کی روداد میں چنگی وصول کرنے والے کی حیثیت سے ان کا نام دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ وقت کی حد بندی کے قائل نہیں تھے بلکہ ۲۴ گھنٹے خدمت کرنا ان کا اصول تھا۔ ایک لمبے عرصہ تک مہمانوں کی دیکھ بھال ان کے ذمہ تھی۔ اس زمانہ میں جو مہمان بھی ایک بار جا آیا دوبارہ آنے پر اس نے انہیں ضرور یاد کیا۔

پوری زندگی تنگدستی اور سخت محنت کے ساتھ گذری۔ شروع میں دو بہنوں ایک بھائی اور ماں کی کفالت کی سعادت حاصل کی۔ بہنوں کی شادیاں کیں۔ [illegible] پیروں سے معذور ہو گئیں تو کم و بیش دس سال تک چارپائی پر بٹھا کر ان کی خدمت کرتے رہے۔ بچے چھوٹے ہی تھے کہ انکا انتقال ہو گیا بچوں کی پرورش کی۔ بچے بڑے ہوئے تو ایک جوان سال بچہ عاشق علی داغ مفارقت دے گیا اب اسکے بچوں کی پرورش بھی ان ہی کے ذمہ آ گئی۔ تادم آخر اس فرض کو نبھاتے رہے۔ چین اور سکون سے بیٹھنے کا موقع کبھی نہیں ملا۔ معاملات کے صاف تھے۔ چھوٹا بھائی جس کی پرورش کی تھی، بڑا ہو کر کہیں چلا گیا۔ بہت دنوں کے بعد جب وہ واپس ہوا ہے تو اس کا حق پائی پائی ادا کر دیا۔ مشقت کی زندگی کے باوجود کبھی دوسروں کا تعاون لینا گوارا نہیں کیا۔ ان کا سب سے نمایاں وصف انکی خودداری تھی جو زندگی بھر ان کے ساتھ لگی رہی جس کا تازہ ثبوت

مرض الموت میں سامنے آیا کہ ان کا تعاون کرنے کی کوشش کی گئی لیکن وہ تیار نہ ہوئے۔

ادھر کئی سالوں سے شعبہ نسواں سے منسلک ہو گئے تھے، کھرے، صاف ستھرے، مخلص، جفاکش اور بے لوث آدمی تھے۔ لوگوں کو ان پر اعتماد تھا کلیۃ البنات کیلئے موزوں تر تھے۔ مختصر بیماری کے بعد انہوں نے آنکھیں بند کر لیں، کوئی ایسی بیماری بھی نہیں تھی جس سے شبہ ہو کہ ان کا وقت آخر آ پہونچا ہے۔ نماز جنازہ میں بھاری تعداد میں لوگوں کی شرکت سے انکی ہر دلعزیزی واضح ہو رہی تھی۔ جامعۃ الفلاح ایک ایسا گلشن ہے جہاں ہر ایک کی اپنی جگہ اہم ہے۔ بڑے سے بڑا استاد، صدر جامعہ، ناظم جامعہ، مکتب میں الف۔ ب پڑھانے والا، کلرک، چپراسی، باورچی اور جاروب کش سب اپنی جگہ اہمیت رکھتے اور جامعہ کی خدمت میں سرگرم عمل ہیں۔ ان سب کا اپنی جگہ اخلاص کے ساتھ اپنے فرض کی ادائیگی جامعہ کی ترقی کا راز ہے۔ جناب عفان شاہ صاحب جن شعبوں سے بھی وابستہ رہے، انہوں نے اپنا فرض نبھانے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے خطاؤں سے درگزر کرے اور جنت میں جگہ دے آمین۔

غزل

ابو عمیر منظر

خبر نہ تھی کبھی ایسا بھی حادثہ ہوگا
کہ قتل گاہ میں منصور رو رہا ہوگا

رہ طلب میں اگر حوصلہ نہ ہاروگے
ہوا کے رخ پہ بھی جلتا ہوا دیا ہوگا

وہ جس نے عمر گذاری ہو لالہ زاروں میں
وہ ایک پھول سے ہی چوٹ کھایا ہوگا

ہمارے محلوں پہ پتھر اچھالنے والو
تمہارے گھر میں آئینہ جا بجا ہوگا

حرم سے مجھ کو اگر شیخ جی نے ٹھکرایا
نگاہ ساقی محفل کا آسرا ـــ ہوگا

بدل سکو تو بدل لو مزاج اہل جنوں
نہیں تو طوق و سلاسل کا سلسلہ ہوگا

یہ دل ہی دے گا پتا منزلوں کا اے منظر
رہ وفا میں نہ جب کوئی رہنما ہوگا

غزل

قمر اسلام نگری

بیشک جو مغرور ہے پیارے
رحمت رب سے دور ہے پیارے

شیطانوں کے آگے انساں
بے بس ہے مجبور ہے پیارے

ان کی یاد کے صدقے جاؤں
دل کتنا مسرور ہے پیارے

فرعونوں کا حشر نہ پوچھو
بات بہت مشہور ہے پیارے

مظلوموں کو ظالم کہنا
دنیا کا دستور ہے پیارے

اس کے لئے ہے سب کچھ جائز
جو مذہب سے دور ہے پیارے

دیکھ کر انساں کی بربادی
دل کتنا رنجور ہے پیارے

کیا جانے دکھ درد کسی کا
جو مست و مخمور ہے پیارے

کالی رات میں صبح روشن
غم میں خوشی مستور ہے پیارے

کس کے جلوے چشم نظر میں
ہر سو قدرت ہی نور ہے پیارے

چلتے جاؤ یہ مت سوچو
منزل کتنی دور ہے پیارے

دل کا زخم کہاں بھرتا ہے
وہ تو اک ناسور ہے پیارے

رب تجھ سے کچھ دور نہیں ہے
تو ہی رب سے دور ہے پیارے

حق کا جو پیغام سنائے
آج کا وہ منصور ہے پیارے

حسن خلق سے جو عاری ہے
جنت اس سے دور ہے پیارے

وہ چمکا وہ حق کا سورج
تاریکی کافور ہے پیارے

دین پہ جینا دین پہ مرنا
اپنا تو دستور ہے پیارے

رنج و غم ہو عیش و خوشی ہو
جو رب دے منظور ہے پیارے

کیا لینا ہے اس سے قمر کو
ہو گر کوئی مغرور ہے پیارے

عبدالمبر اشرفی ازہاری

تعارف و تبصرہ

مجلہ فقہ اسلامی نمبر ۵ (جلد اول) "مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ"

ترتیب: مولانا مجاہد الاسلام قاسمی
کتابت و طباعت: عمدہ صفحات: ۵۱۷ قیمت: ۱۵۰ روپئے
ناشر: اسلامک فقہ اکیڈمی پوسٹ بکس نمبر ۹۷۲۵ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵
ملنے کا پتہ: قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز وینچ بلڈنگ حضرت نظام الدین ویسٹ نئی دہلی ۱۳

یہ مجلہ اسلامک فقہ اکیڈمی کی جانب سے ہونے والے پانچویں فقہی سمینار بعنوان "مصرف زکوٰۃ فی سبیل اللہ" منعقدہ ۳۱ر اکتوبر تا ۳ر نومبر ۹۲ء بمقام جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں پیش کردہ مقالات اور مباحثوں کا مجموعہ ہے۔ گذشتہ چند سالوں سے اسلامک فقہ اکیڈمی قاضی امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کے زیر قیادت ہر سال مختلف موضوعات پر اس طرح کے سمینار منعقد کرتی ہے تاکہ نئے مسائل کا معتبر حل ڈھونڈا جا سکے۔ الحمد للہ اس کوشش کے مثبت نتائج سامنے آ رہے ہیں۔ جہاں اس کے ذریعے جدید مسائل کا مثبت حل تلاش کرنے کی کوشش جاری ہے۔ وہیں اس سے اجتماعی ذہنی ہم آہنگی کی طرف پیش قدمی بھی ہو رہی ہے علماء کی نئی نسل کو علمی تیاری کا موقع مل رہا ہے۔ مختلف اہم موضوعات پر مواد اکٹھا ہو رہا ہے۔ وغیرہ

پانچویں فقہی سمینار کے لئے یہ موضوع کیوں منتخب کیا گیا اس کی وضاحت کرتے ہوئے موقر مرتب نے ابتدائیہ میں لکھا ہے۔

"ان (مصارف زکوٰۃ) میں ایک مصرف "فی سبیل اللہ" ہے یہ عام لفظ ہے

جس کے معنی کی تعیین میں علماء اسلام سے کئی اقوال منقول ہیں اور چونکہ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ایک مستحق کو محروم کرنے اور غیر مستحق کو دینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی اور عدم ادائیگی سے سخت اضطراب پیدا ہوتا ہے اس لئے ضرورت تھی کہ اس ابہام کی وضاحت اور اجمال کی پوری تفصیل کر دی جائے۔

اس لئے اسلامک فقہ اکیڈمی نے اس مسئلہ پر اور زکوٰۃ کے دیگر مسائل پر اپنا پانچواں فقہی سمینار جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ یوپی میں ۳۱ اکتوبر تا ۳ نومبر ۱۹۹۲ء منعقد کیا (ص۶)

ان مقالات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ شرکاء کافی تحقیق و تنقیح سے کام لیتے رہے۔ بعض مقالات تو انتہائی وقیع ہیں۔ اس سمینار کی بعض نشستوں میں راقم کو براہ راست شریک ہونے کا موقع ملا تھا، لیکن اس وقت زیر بحث مسئلہ کا ما لہ و ما علیہ اس قدر واضح نہیں ہو سکا تھا جتنا کہ اب ان مباحث کو پڑھنے کے بعد ہوا ہے میری نگاہ سے اس موضوع پر اردو زبان میں اس سے جامع کوئی اور کتاب نہیں ہے

دوران مطالعہ دو تین احساسات برابر ابھرتے رہے جن کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اول تو قرآن و سنت سے براہ راست استفادہ و استدلال کا پہلو کم نظر آیا۔ زیادہ تر انحصار کتب فتاوی پر کیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یک رخا پن محسوس ہوا یعنی فقہ حنفی کے اثبات کا رجحان غالب ہے اور دیگر تمام مسالک کے دلائل کا بیان اور ان کے موازنہ کا پہلو کمزور ہے۔ تیسرے یہ کہ استدلال کیلئے جا بجا ایسی مرویات کا سہارا لیا گیا ہے جو علماء اور انکی اس طرح کی مجالس کے شایان شان نہیں ہیں۔ مثلاً ص۲۹۵ کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"مصرف کے حقیقی ہونے کی پانچویں دلیل عہد نبوی سے لیکر آج تک کے اساطین امت، علماء شریعت کا اجماع ہے گویا امت کا سواد اعظم مصارف صدقات کے آٹھ میں منحصر ہونے کا قائل ہے جس کی پیروی کرنے کا حکم حدیث نبوی "اتبعوا السواد الاعظم" میں کیا گیا ہے۔"

حدیث "اتبعوا السواد الاعظم" کی سند کیا ہے؟ صاحب مضمون نے کوئی حوالہ نہیں دیا — ؟ تلاش بسیار کے باوجود مجھے یہ سراغ نہیں مل سکا کہ یہ حدیث کس معتبر کتاب میں ہے؟ اور نہ ہی علماء اصولیین میں سے کسی کو میں نے اجماع کے اثبات کیلئے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے پایا پھر صاحب مضمون نے کیسے اس کا سہارا لیا میری سمجھ میں نہیں آسکا کیا اجماع عوام کی اکثریت (سواد اعظم) کے کسی بات پر متفق ہو جانے کا نام ہے۔ یا اہل علم اور اہل بصیرت کی اکثریت کے کسی معاملہ پر اتفاق کا نام ہے۔

جا بجا کتابت کی غلطیاں بھی نظر آئیں چند اہم مقامات درج ذیل ہیں۔ اگلے ایڈیشن میں انکی تصحیح پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

صفحہ	غلط	صحیح
۱۷۸	علاوسازیں	علاوہ ازیں
۲۰۳	عبدالعزیز بن باذ	عبدالعزیز بن باز
۲۳۰	اختصار کردہ	اختیار کردہ
۲۷۹	تلماً	ظلماً
۲۹۶	فی ضلال القرآن	فی ظلال القرآن

بقیہ — اردو زبان ......

۲۲ نیشنل ہیرالڈ لکھنؤ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۲ء بحوالہ سابق

۲۳ ہندوستان ٹائمز ۱۳ مارچ ۱۹۸۳ء " "

۲۴ بلٹز ۱۵ ستمبر ۱۹۸۳ء " "

۲۵ بلٹز ۲۲ ستمبر ۱۹۸۳ء " "

۲۶ بلٹز ۲۲ ستمبر ۱۹۸۳ء " "

۲۷ ڈاکٹر عبدالمغنی "اردو دوسری سرکاری زبان کیوں؟" پٹنہ ۱۹۸۱ء

۲۸ حیات اللہ انصاری "یاد آتا ہے جس جو جل گیا" قومی آواز ۹ دسمبر ۱۹۸۲ء

۲۹ سید حامد "اردو اور موجودہ صورت حال" قومی آواز ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۲ء

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل ونہار

مجلس شوریٰ کا اجلاس

مجلس انتظامیہ کے اجلاس سے متصل انجمن کی شوریٰ کا اجلاس ۲۲ مئی ۱۹۹۵ء کو ہوا۔ اس اجلاس میں مولانا رحمت اللہ اثری صاحب، مولانا ابوالکلام صاحب، مولانا محمد عمران صاحب، مولانا انصار احمد صاحب، مولانا نور محمد صاحب، مولانا عبیداللہ طیب صاحب، مولانا عبدالباری صاحب، مولانا مطیع اللہ صاحب (خصوصی مدعو) اور حافظ ابوذر صاحب (خصوصی مدعو) شریک ہوئے۔ مجلس شوریٰ منعقدہ ۲۱ جولائی ۱۹۹۴ء کی رپورٹ کی خواندگی اور توثیق ہوئی۔ گوشوارہ آمد و صرف پیش ہوا اور آئندہ کا بجٹ باتفاق پاس ہوا۔

اس اجلاس نے طے کیا کہ انجمن ہاؤس کی تعمیر کے سلسلہ میں زمین کی تعیین کیلئے بطور یاددہانی دوبارہ انتظامیہ سے درخواست کی جائے اور فیصلہ کو اوّلیں کیلئے حاصل شدہ زمین پر انجمن بلڈنگ کی تعمیر شروع کر دے۔ فلاحی برادران کی کاوشوں کو یکجا کرنے کیلئے کوششیں تیز کر دی جائیں۔ حیات نو کا مسئلہ زیر بحث آیا اور یہ بات طے کی گئی کہ جن کا تعاون ختم ہو گیا ہے انہیں حیات نو اعانت کی وصولی کے بعد ہی بھیجا جائے۔ اسکی توسیع واشاعت کے لئے اندرون جامعہ اور بیرون جامعہ کوشش کی جائے۔ نیز توسیع واشاعت اور اشتہارات کیلئے ایک مستقل فرد تلاش کیا جائے جسے معقول تنخواہ دی جائے۔ تمام ارکان شوریٰ اسکی اشاعت کے لئے انفرادی اور اجتماعی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں ایک سفر کلکتہ کا بھی پیش نظر ہے۔

چھٹا اجلاس عام

حالیہ شوریٰ انجمن طلبہ قدیم کے فیصلہ کے مطابق انجمن کا چھٹا اجلاس عام ۱۵، ۱۶ اور ۱۷ مارچ ۱۹۹۶ء بروز جمعہ، سنیچر اور اتوار منعقد کیا جائے گا۔ اسکی تیاری اور پروگرام کی ترتیب کے لئے صدر انجمن مولانا

رحمت اللہ اثری صاحب فلاحی، مولانا ابوالکلام صاحب فلاحی، مولانا نسیم غازی صاحب فلاحی، مولانا منور حسین صاحب فلاحی، مولانا عبدالباری صاحب فلاحی اور عبیداللہ طیب صاحب فلاحی (کنوینر) پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ اس کمیٹی کا اجلاس علیگڑھ یا دہلی میں ۱۶ جولائی ۱۹۹۵ء بروز اتوار ہوگا جس کی رپورٹ مجلس شوریٰ کے سامنے پیش ہوگی۔ اواخر اگست یا اوائل ستمبر میں مجلس شوریٰ کا اجلاس متوقع ہے۔

ذمہ داران مکاتب کا ایک روزہ کیمپ

مکاتب و مدارس میں ہم آہنگی پیدا کرنے، انہیں منظم کرنے، ان کے معیار تعلیم وتربیت کو بلند کرنے اور فی الجملہ انہیں تعاون دینے کیلئے جامعۃ الفلاح نے شعبہ تنظیم مدارس قائم کر رکھا ہے۔ الحمدللہ یہ شعبہ سرگرم عمل ہے۔ مدارس کے دورے کئے جاتے ہیں، ان کے مسائل میں دلچسپی لی جاتی اور مشورے دیئے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں ۲۷ اپریل ۱۹۹۵ء کو قرب و جوار کے مکاتب کے ذمہ داروں کا ایک روزہ کیمپ لگایا گیا جس میں مدرسۃ الہدیٰ (نصیر پور)، مدرسۃ صدیقیہ (گلوان گوری)، مدرسہ اسلامیہ جمیع خورد (اعظم گڑھ)، مرکز العلوم (سجاد پور)، ضیاء العلوم (ورجی)، مدرسۃ النجاح (زمین دوسلیمپور)، احیاء العلوم (جنکٹ)، درسگاہ اسلامی (چاند پٹی)، درسگاہ اسلامی (علاؤالدین پٹی)، شعاع العلوم (کریمی)، انوار العلوم (کھریا)، انوار العلوم (گرتھی پور) اور مدرسہ تحت الشہر دار النجات (شہید) کے منتظمین اور اساتذہ شریک ہوئے۔ یہ پروگرام سابق رکن انتظامیہ جناب عبدالحمید پاشنے صاحب کی صدارت میں چلا۔ مختلف ماہرین تعلیم نے شرکاء کے سامنے علم کی اہمیت کے ساتھ تعلیم وتربیت کے رہنما اصول بیان کئے۔ تعلیم کیساتھ تربیت پر بطور خاص زور دیا گیا اور یہ احساس ابھارا کہ تعلیم کے معاملہ میں ہمیں سنجیدہ ہونا چاہیئے۔

دو قدیم استاذ جامعہ کی جدائی

سابق ناظم جامعہ مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی جامعہ کے قدیم اساتذہ اور اس کے مؤسسین میں سے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں جب میں جامعہ آیا تھا اس وقت مولانا ابوبکر صاحب اصلاحی ناظم جامعہ تھے اور گھنٹیاں بھی لیا کرتے تھے۔ درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے جامعۃ الصالحات

رامپور کے ذمہ داروں نے انہیں بلا لیا تھا، وہ جامعۃ الفلاح میں کئی بار صدر جامعہ بھی رہ چکے ہیں، ادھر تقریباً تین سالوں سے نائب ناظم جامعہ کے عہدہ پر فائز ہیں، ساتھ ہی کلیۃ البنات میں تدریسی ذمہ داریاں بھی انجام دیتے رہے ہیں، اپنی پیرانہ سالی اور ضعف ونقاہت کی بنا پر موصوف نے شعبہ تدریس سے استعفیٰ دیا ہے اور اپنے گھر سرائے میر منتقل ہو گئے ہیں۔

استاذ حدیث وفقہ مولانا صغیر احسن صاحب اصلاحی بھی جامعہ کے ابتدائی اساتذہ میں رہے ہیں، تدریسی زندگی کا آغاز مولانا نے مدرسۃ الاصلاح سرائے میر سے کیا تھا، حضرت الاستاذ مولانا اختر احسن صاحب اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت کچھ کسب فیض کیا، طلبہ کی اصلاح وتربیت سے موصوف کو خاص شغف رہا ہے، جامعہ میں نافذ ضابطہ ریٹائرمنٹ کی بنا پر اب وہ جامعہ سے سبکدوش کر دیے گئے ہیں۔

نیا تقرر: شعبہ عالی میں برائے معاشیات جناب سید زاہد احمد صاحب (مئو) ایم اے (معاشیات) بی اے آنرس، شعبہ ثانوی میں برائے سائنس جناب سراج احمد صاحب (اعظم گڑھ) ایم ایس سی بی ایڈ اور برائے حساب وسائنس محمد طاہر صاحب (پرتاب گڑھ) بی ایس سی ایل ایل بی، شعبہ ابتدائی میں برائے عصری علوم جناب محمد مشتاق انصاری صاحب (دوہرا دون) بی ایس سی، برائے دینیات محمود عالم صاحب فلاحی (محمد پور اعظم گڑھ) عالم اور شعبہ ابتدائی کلیۃ البنات میں جناب علی رضا صاحب (بستی) فاضل کا تقرر عمل میں آیا ہے اور جناب شجاع الاسلام صاحب (بڑیا گنج) ایکسٹینشن کی حیثیت سے جامعہ سے وابستہ ہوئے ہیں۔

ناظم جامعہ اور خازن انجمن کو صدمہ: انتہائی افسوس کے ساتھ یہ اطلاع دی جا رہی ہے کہ ناظم جامعہ جناب حاجی عبد المتین صاحب کی ہمشیرہ ۱۰ مئی ۹۵ء اور خازن انجمن طلبہ قدیم جناب انصار احمد صاحب فلاحی کی چچی ۲۹ مئی ۹۵ء کو انتقال فرما گئی ہیں، اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

مولانا محمد عمران حسن فلاحی
سکریٹری انجمن

مجلس شوریٰ میں پیش کردہ

مختصر رپورٹ انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

از یکم جون ۹۳ء تا ۲۱ مئی ۱۹۹۵ء

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم محمد الامین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

محترم ارکان شوریٰ وجملہ حاضرین   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سابقہ میقات میں جو کام انجام پا سکے ہیں انکی مختصر رپورٹ مندرجہ ذیل ہے۔

☆ فلاحی برادران خواہ اندرون ملک ہوں یا بیرون ملک نیز دوسرے حضرات سے برابر ربط رکھا گیا۔

☆ اس طرح اندرون ملک فلاحی برادران کے نام ۱۱۲ خطوط بھیجے گئے بیرون ملک ۱۰۸ خطوط بھیجے گئے، اور فلاحی برادران کے آنے والے خطوط کی تعداد تقریباً ۴۳ ہے اور غیر فلاحی حضرات کی طرف سے آنے والے خطوط کی تعداد ۱۱، ایسے ہی مقامی فلاحی برادران سے ربط رکھنے کیلئے تقریباً ہر دو ماہ پر میٹنگ ہوتی رہی اب تک اس طرح کی کل ۵ نشستیں ہوئیں۔

اور مجلس شوریٰ کی باقاعدہ ۱۰ اور غیر رسمی ۲ اور مقامی شوریٰ کی ۶ نشستیں ہوئیں۔

☆ اس ربط کے نتیجے میں [illegible] کی ممبر بن گئی ہے۔

☆ ادھر بار بار ملاقات اور خط وکتابت کی وجہ سے جوکینیا میں باقاعدہ یونٹ قائم ہوئی۔

☆ مجلات خدا کا شکر ہے نکل رہا ہے مگر اخراجات کی کمی سد راہ بنی رہی ہے۔

☆ پانچویں اجلاس عام میں پیش کئے گئے مقالات اب کتابی شکل میں آ گئے ہیں۔

☆ ٹیلیفون لائن بفضلہ تعالیٰ مل گئی ہے اور ٹیلیفون برابر کام کر رہا ہے۔

سیشن ۹۴-۱۹۹۳ء کے فضیلت پاس کرنے والے طلبہ کو الوداعی پارٹی دی گئی۔ اور

انکو ممبری فارم اور دستور کی کاپیاں دی گئیں خدا کا شکر ہے کہ اکثر فلاحیوں نے ممبری فارم پر کر کے باقاعدہ ممبر بننے کی درخواست کی ۔

* دستور انجمن جو غازی صاحب کی صدارت کے زمانے میں زیر غور تھا اسکو شوریٰ کی ہدایت کے مطابق اکثر فلاحی برادران کے پاس بھیج دیا گیا اور اندرون ملک بیرون ملک خاص خاص مقامات پر دستی بھی دیا گیا تاکہ وقت پر رائیں موصول ہو سکیں
* پچھلے اجلاس عام کے پروگراموں پر مشتمل جو کیسٹیں تیار کی گئی تھیں انکو مختصر کر کے دو کیسٹ میں کیا جا رہا ہے تقریباً یہ کام اب اپنے آخری مرحلہ میں ہے ۔
* فارغین جامعہ کی علمی کاوشوں کو یکجا کرنے کیلئے حیات نو میں فلاحی برادران کے نام کئی بار اعلان شائع ہوا اور بعض حضرات سے عند الملاقات اس سلسلہ میں بالمشافہ گفتگو کی گئی ۔
* بعض ایسے فلاحی حضرات سے جو کہ مختلف کمپنیوں اور فرموں سے اشتہارات حاصل کرتے ہیں حیات نو کیلئے بات کی گئی انشاء اللہ حیات نو کا نرخ نامہ تیار ہونے کے بعد باقاعدہ اس سلسلہ میں بات مکمل کر لی جائے گی ۔
* مجلس انتظامیہ کے سامنے فیصلی کو اثر انجمن ہاؤس و اخبار کورس نیز بعض دوسرے کاموں کیلئے تحریریں پیش کی گئی ہیں انشاء اللہ جناب عطیف جواس کے متعلق صحیح صورت حال سے مطلع کیا جا سکے گا ۔
* انجمن طالبات قدیم کا قیام عمل میں لایا گیا ۔
* کچھ مستفیدین کا مالی تعاون بھی کیا گیا ۔
* یہ ہے سابقہ میقات کی رپورٹ جسکے پڑھنے کے بعد انجمن کی کارکردگی کا اندازہ ہو گیا ہوگا ۔ اس میں جو خوبی نظر آئے وہ مخلص فلاحی برادران کے مشوروں اور مشوروں اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی اعانتوں کا نتیجہ ہے اور جو کمی نظر آئے اس میں دوسروں کے مقابلے میں میری ذات کو زیادہ دخل ہے ۔

جمعیۃ البر الاسلامیۃ

۵ ۔ جامعہ اردو روڈ ۔ علی گڑھ ۔ ۲۰۲۰۰۲ ۔ الہند

کے زیر اہتمام

مضمون نگاری کا انعامی مقابلہ

دینی مدارس و جامعات کے طلبہ میں علمی ذوق و شوق پیدا کرنے اور ان کی تحریری و تخلیقی صلاحیتوں کو ابھارنے کی غرض سے جمعیۃ البر الاسلامیہ علی گڑھ کے زیر اہتمام مضمون نگاری کا ایک انعامی مقابلہ کا انعقاد کیا جا رہا ہے مقابلہ کے لیے تین مختلف موضوعات پر الگ الگ پانچ انعامات دیے جائیں گے ۔

انعامات کی تفصیل : اول آٹھ سو روپیے، دوم سات سو روپیے، سوم چھ سو روپیے، چہارم پانچ سو روپیے، پنجم چار سو روپیے، نیز ہر موضوع پر سو سو روپیے کے پانچ تشجیعی انعامات دیے جائیں گے ۔

عناوین موضوعات

۱۔ خلافت اسلامیہ کا زوال : اسباب و نتائج ،
۲۔ حجیت حدیث پر شکوک و شبہات : ایک تنقیدی جائزہ ،
۳۔ سید نذیر حسین محدث دہلوی : حیات و خدمات

شروط مقابلہ :

۱۔ مقابلہ میں حصہ لینے والا کسی دینی مدرسہ یا جامعہ کا طالب علم ہو ۔
۲۔ متعلقہ ادارہ سے طالب علمی کا تصدیق نامہ مضمون کے ساتھ منسلک ہو ۔
۳۔ ایک طالب علم صرف ایک مضمون کے تحت مقابلہ میں شریک ہو سکتا ہے ۔
۴۔ مضمون اردو زبان میں ہو اور فل اسکیپ سائز کے کاغذ پر کم سے کم بیس صفحات اور زیادہ سے زیادہ پچیس صفحات پر مشتمل ہو ۔ تحریر صاف، خوش خط اور ورق کے صرف ایک طرف ہو ۔
۵۔ مقالہ نگار مقالہ پر کسی جگہ اپنا نام اور پتہ نہ لکھے بلکہ علیحدہ کاغذ پر نام اور مکمل پتہ انگریزی میں لکھیں ۔

مضمون موصول ہونے کی آخری تاریخ : ۳۰ ستمبر ۱۹۹۵ء مطابق ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ

پتہ : جمعیۃ البر الاسلامیہ، سلمان منزل، ۵ ۔ جامعہ اردو روڈ، علی گڑھ ۔

JAMIAT - AL- BIR - AL- ISLAMIA ,
SALMAN MANZIL , 5, JAMIA URDU ROAD, ALIGARH ,
202002 (U.P.)

Regd. No. 46065/86
Monthly MAJALLAH HAYAT—E—NAU
BILARIAGANJ AZAMGARH (U.P.)
June 1995 Vol 11 No. 6

ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح کی تازہ پیشکش

"ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس"

مجموعہ مقالات سمینار منعقدہ ۲۹، ۳۰ ؍ اکتوبر ۱۹۹۳ء

مرتب: انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ

اس مجموعہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

- دینی مدارس اپنا متوقع کردار کیوں نہیں ادا کر سکے؟
- ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس
- عہد نبوی کے تعلیمی ادارے
- ہندوستان کی موجودہ تعلیمی تحریکات ـــــ ایک جائزہ
- دینی مدارس میں سائنس کی تعلیم
- ملت کے معاشی مسائل اور دینی مدارس
- دور جدید کے تقاضے اور دینی مدارس کا نصاب
- تعلیم بالغاں اور دینی مدارس
- مدارس دینیہ کا وفاق ـــ مسائل اور مشکلات
- بھارتیہ جنتا پارٹی کی تعلیمی پالیسی
- جماعت اسلامی ہند کا تعلیمی نظام
- عصری جامعات میں اخلاقی اقدار کے مسائل وغیرہ موضوعات پر ماہرین تعلیم و تربیت کے گرانقدر خیالات۔

قیمت: ۳۰ روپیہ صفحات: ۳۱۰

ملنے کے پتے: ادارہ علمیہ جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ یوپی 276121

مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ چتلی قبر دہلی ۱۱۰۰۰۶

مرکزی تعلیمی بورڈ ڈی ۳۰۷ ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵